JUNE 2024 ذی الحجہ ۱۴۴۵ھ

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور



دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور (یوپی)

مدرسہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

جلد نمبر ۳۰

شمارہ نمبر ۲

بابت

ذی الحجہ ۱۴۴۵ھ

جون ۲۰۲۴ء

زر تعاون

فی شمارہ ——— ۳۰ روپے

سالانہ زر تعاون ——— ۳۰۰ روپے

بیرون ملک سالانہ ——— ۲۵ ڈالر

مدیر مسئول

حضرت مولانا سید محمد عاقل مدظلہ ناظم مدرسہ

نگران

مولانا مفتی محمد سید صالح الحسنی امین عام مدرسہ

مدیر تحریر

مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM MONTHLY MAGAZINE

SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA

Ph: 0132-2655542

Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

○ دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/ تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ ۱۰/ تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

سبق پھر پڑھ...............

عبداللہ خالد قاسمی خیر آبادی

ماہ ذی الحجہ ۱۴۴۵ھ (جون ۲۰۲۴ء) کا شمارہ آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے ساتھ ہم اپنے قارئین کو ایثار و قربانی، وفاداری و جاں سپاری کے دوسرے سب سے بڑے اسلامی تہوار عید الاضحیٰ کی دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں، آپ اس شمارہ میں عشرۂ ذی الحجہ و حج بیت اللہ پر گراں قدر مضمون بھی پڑھیں گے اور قربانی کے تاریخ و پیغام پر فکرانگیز گفتگو بھی ملاحظہ فرمائیں گے، نیز مشہور زمانہ خطیب وادیب مولانا عبدالعلی فاروقی لکھنوی کا "نیا ہے زمانہ نئی روشنی ہے" کے عنوان سے نہایت اہم مضمون بھی آپ کے ذہن و دماغ پر دستک دے گا۔

ماہنامہ مظاہر علوم کے ذریعہ اگر ہم منتخب مضمون نگار علماء وادباء کے رشحات قلم سے اسلامی معاشرہ میں دینی بیداری، فکر و نظر میں وسعت اور دل و دماغ میں انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہیں تفسیر قرآن اور درس حدیث کے ذریعہ کتاب الٰہی اور فرمودات نبوی سے رشتہ مضبوط کرنے کی سعی مشکور بھی کرتے ہیں، مزید مدرسہ مظاہر علوم کے اکابر علماء کے ارشادات و فرمودات کے اقتباسات وملفوظات سے روح و ایمان میں تازگی پیدا کرنے کی کوشش بھی ہوتی ہے، مدرسہ مظاہر علوم کی تعلیمی وتربیتی خدمات سے آگاہ کرتے رہنے کا خیال بھی رکھا جاتا ہے، مجموعی طور پر ماہنامہ مظاہر علوم ایک دستاویز کی شکل میں ہر ماہ آپ کے قلب ونظر کو دینی، ودعوتی اور اصلاحی وفکری مضامین، دین و ایمان کی قلبی وروحانی خوراک فراہم کرنے کے مشن پر بحمداللہ قائم ہے اور ہم خلوص دل کے ساتھ اللہ رب العزت سے دعاء کرتے ہیں کہ مدرسہ مظاہر علوم کا یہ ترجمان ملت اسلامیہ کی عظمت رفتہ کی بحالی اور دین حنیف سے وابستگی کی تحریک کی مؤثر آواز بنا رہے۔

اس وقت پوری دنیا میں مسلمانوں پر افتاد و آزمائش کا خطرناک ترین وقت ہے، ایک جانب مشرق وسطیٰ جو خاص طور پر مسلمانوں کی اکثریت کا علاقہ ہے، امریکیوں اور صہیونیت کی نظر بد کا شکار ہے، جنگ

وجدال کے شعلوں میں گھرا ہے، معصوم بچے، خواتین اور نوجوان و بوڑھے روزانہ سرزمین فلسطین، ارض الانبیاء کو اپنے خون کا نذرانہ پیش کررہے ہیں، تو دوسری جانب مسلم ممالک کے شاہان وسربراہان امریکہ واسرائیل کے در پر سر جھکائے کھڑے ہیں اور اپنے اقتدار کو باقی رکھنے کی بھیک مانگ رہے ہیں کہ خواہ آپ غزہ وفلسطین کے لاکھوں بے گناہ شہریوں کو بھوک مری کا نوالہ بنادیں اور انبیاء ومرسلین کی پاکیزہ سرزمین کو کھنڈر میں تبدیل کردیں لیکن ہماری شان وشوکت پر آنچ نہ آنے دیں، ہم اپنے اپنے ملکوں سے اسلامی تہذیب وثقافت، اور دینی غیرت وحمیت کا جنازہ خود نکال دیں گے۔

مشرق وسطیٰ سے نظر ہٹائیں اور جنوب ایشیا کے ممالک میں ہندوستان پر نظر ڈالیں تو بیس کروڑ مسلمانوں کو آزادی کے بعد اپنی تاریخ کے سب سے بھیانک دور سے گزرنے کا کرب جھیلتے ہوئے دیکھیں گے، وہ مسلمانان ہند جنھوں نے وطن عزیز اور ملک وقوم کو نجات دلانے اور غلامی کی ذلت سے نکالنے کی خاطر طویل مدت تک سامراجیت کے خلاف جنگ کی، تحریک آزادی کی قیادت کی اور قید وبند کی مشقت برداشت کی، جان ومال کو قربان کیا، وہی ملک ایک ایسی فرقہ پرست، جماعت کے زیر اقتدار ہے جس کے خمیر میں ہی اسلام دشمنی پائی جاتی ہے، مسلمانوں کے دینی شعار اور تشخص پر آئے دن حملہ ہورہا ہے اور بیس کروڑ مسلم اقلیت کو الیکشن کے دور میں خود وزیر اعظم گھس پیٹھیہ یعنی درانداز کہہ کر نفرت انگیزی کررہے ہیں، بھاجپا کا ہر بڑا لیڈر ہندو مسلم کرنے میں لگا ہے اور الیکشن کمیشن خاموش تماشائی بنا ہے، دس سال کے طویل اقتدار میں بھاجپا نے جو سب سے بڑا کام کیا ہے وہ ہے مسلمانوں کے خلاف ہندو اکثریت کے ذہن ودماغ میں نفرت کا زہر بھرنا، دینی مدارس پر نظر گڑی ہے، مساجد کا وجود آنکھوں کا کانٹا بنا ہے۔ یورپ وامریکہ پر نظر ڈالیں تو وہ بھی کھل کر مسلمانوں کی نسل کشی، کردار کشی میں اسرائیل کے حمایتی بن کر سامنے آچکے ہیں۔ پاکستان جو مسلم ملک کے طور پر اسلام کے نام پر وجود میں آیا تھا پچھتر سال کے بعد بھی نہ اسلام کو اپنا سکا، نہ ہی اقتصادی قوت بن سکا، آج اندرونی طور پر خلفشار اور اقتصادی سطح پر زوال کی راہ پر ہے۔

ان سب حالات کے تناظر میں دیکھا جائے تو کہیں امن وسکون اور عدل وانصاف نہیں، مشرق سے لے کر مغرب تک مسلمانوں کو عدم تحفظ اور خوف کا سامنا ہے، یہ تمام مصیبتیں تو ہیں ہی، اس سے بڑا خطرہ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ ان حالات میں لادینیت کا شکار ہوتا جارہا ہے، نوجوان نسل میں مادہ پرستی اور فکری آزادی کا

جنون ان کو گھروں سے بھگا کر دوسرے مذاہب اختیار کرنے یا الحاد وارتداد کی ڈگر پر چلا رہا ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ ہمارے علماء واکابر اور مدارس اسلامیہ کے ذمہ داروں کے سامنے یہ سب حقائق نہیں ہیں ،لیکن ان میں جمود وتعطل پایا جاتا ہے، ایوان باطل میں اذان توحید دینے اور فراعنۂ وقت کے سامنے کلیم اللہ کا کردار ادا کرنے کی جرأت وہمت نہیں پائی جاتی ،ابھی کتنے سالوں کی بات ہے جب ایمانی صلابت اور اسلامی غیرت کے پیکر ہمارے علماء حق نے اسی ہندوستان میں اپنے زمانہ کی سب سے طاقتور سلطنت کے اقتدار کو للکارا تھا،ان بوریہ نشینوں کی بے نفسی اور للّٰہیت کے سامنے بڑی بڑی طاقتیں سرنگوں ہوگئی تھیں،آج کیا صورت حال بن چکی ہے اس کا مشاہدہ ہم سب کررہے ہیں۔

ایسا بھی نہیں کہ جلسے نہیں ہوتے، اسلامی بیداری کے لئے اصلاح معاشرہ کی سلسلہ وار تقاریر نہیں ہوتیں،مسلمانوں کے دینی وملی مسائل پر کانفرنسوں کا انعقاد نہیں ہوتا،اسلامی مراکز اور دینی مدارس میں اسلامی تعلیمات کا سلسلہ جاری نہیں ہے،سب عمل قائم ودائم ہے لیکن اثرات کا دائرہ محدود ہے، لادینیت اور الحاد پھیلنے کی خبروں کا گراف دن بدن بڑھ ہی رہا ہے اور وسیع تر بھی ہورہا ہے، ہمارا المیہ یہ ہے کہ بتان رنگ وبو کو پاش پاش کرکے وحدت ومساوات کے پیکر بن کر ملت میں گم ہوجانے اور ایرانی وتورانی اور افغانی تفاوت کو بھول کر جسد واحد بننے والی ملت اسلامیہ اپنے ذاتی مفاد اور سیاسی اغراض حاصل کرنے کے لئے ذاتی، خاندانی، سیاسی، مسلکی اختلافات میں گم ہے،تنازعات آئے دن وسیع تر ہو کر انتشار کی کھائی کو مزید کشادہ کررہے ہیں، اذان توحید سے طاغوتی طاقتوں کو لرزانے والی قوم مسلم اپنے تمام تر مادی وظاہری اور قدرتی وسائل کے ملکوں کو یورپ وامریکہ میں گروی رکھ کر خود کاسۂ گدائی لئے کھڑی ہے،شہرت ودولت اور دنیاوی عزت کے اصنام کی پرستش کرنے میں لگی، اس صنم آشنا قوم کو نہ نمازوں میں لطف ملتا ہے نہ سجدوں سے سکون دل میسر ہوتا ہے، مادیت کی دلدادہ قوم مسلم اپنی نئی نسل کی تعلیم وتربیت سے غافل ان کے اخلاق وکردار کی نگرانی سے ہاتھ اٹھا چکی ہے چنانچہ ارتداد ولادینیت مسلم گھرانوں میں بڑھتی جارہی ہے۔

جس قوم کو حکم ملا تھا کہ اپنی اولاد کی ایمانی تربیت پر اول دن سے ہی توجہ دیں، ان کو نماز کا عادی اور تلاوت قرآن کا عاشق بنائیں وہ جدید دور کے ’’لہو حدیث‘‘ موبائل کو اپنی نابالغ اولاد کے ہاتھوں میں تھما کر لذت کوشی کی راہیں تلاش کرنے میں سرگرداں ہے،حالانکہ مسلمانوں کی ترقی وکامرانی کا راز نفسانی

خواہشات کو کچل کر اطاعت رب کو شعار بنالینے میں ہے۔

آخروہ کون سے عوامل واسباب ہیں جن کی وجہ سے مسلمان اپنی تمام تردینی واصلاحی تحریکوں، کوششوں کے باوجود روز بروز انحطاط وانتشار کی دلدل میں دھنستے جارہے ہیں، اصلاح کی ہر کوشش وقتی نمائش بن کر رہ جاتی ہے۔

ایک بنیادی سبب یہ ہے کہ مسلمانوں میں طلب نہیں، صحابہ کرام وسلف صالحین کے دلوں میں اپنی اور قوم کی انفرادی واجتماعی اصلاح کی ایک تڑپ کارفرما تھی، ان کی نظروں میں اللہ کی رضا اور آخرت کی تجارت اصل تھی، اسلام کے لئے جینا مرنا ان کی وہ آرزو تھی جوان کو ہر شئی سے زیادہ محبوب تھی، وہ ہر کام اللہ کی خوشنودی کے لئے کرتے تھے اور وحدانیت والوہیت پر دل کی گہرائی سے ایمان لاتے تھے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا بیج اپنی اولاد کے دلوں میں اول دن ہی ڈال کر اس کی آبیاری کرتے تھے، ان کے پاس ظاہری وسائل کی فراوانی نہیں تھی لیکن عقیدہ کی پختگی اور ایمان کی مضبوطی، عمل پر مداومت ان کی شناخت تھی۔ اور آج اسی کی ضرورت ہے۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا ،عدالت کا ،شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

درسِ قرآن

بہن کا حق

مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری
استاذ حدیث وتفسیر مظاہر علوم سہارنپور

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا (النساء ۷)

مردوں کا حصہ بھی ہے اس ترکہ میں جو ماں باپ اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کا بھی، جو حصہ ہے اس ترکہ میں جو ماں باپ اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں وہ مال کم ہو یا زیادہ، حصہ بھی مقرر کیا ہوا ہے۔

شانِ نزول:

زمانۂ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ بیٹیوں اور نابالغ بچوں کو میت کے مال میں سے کوئی حصہ نہیں دیا جاتا تھا کیونکہ اہل عرب کا اصول یہ تھا کہ وراثت کا مستحق صرف وہ ہے جو گھوڑے پر سوار ہو، اور دشمنوں کا مقابلہ کر کے مال غنیمت جمع کرے، اس اصول وراثت کی رُو سے صرف جوان بالغ لڑکا ہی وارث ہوسکتا تھا، نابالغ لڑکا مستحق وراثت نہ تھا، اور عورتیں بھی ان کے اصول پر پوری نہیں اترتی تھیں، کیونکہ عورتیں اس زمانہ میں بحیثیت سپاہی جنگ میں شریک نہیں ہوتی تھیں اس لیے لڑکی تو مطلقا وارث نہ سمجھی جاتی تھی، خواہ بالغ ہو یا نابالغ۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک واقعہ پیش آیا کہ حضرت اوس بن ثابتؓ کا انتقال ہوا اور دو لڑکیاں، ایک نابالغ لڑکا، ایک بیوی وارث چھوڑے، عرب کے قدیم دستور کے مطابق ان کے دو چچا زاد بھائیوں نے آ کر مرحوم کے پورے مال پر قبضہ کرلیا اور اولاد اور بیوی میں سے کسی کو کچھ نہ دیا، کیونکہ ان کے نزدیک عورت مطلقا مستحق میراث نہ تھی اس لئے بیوی اور لڑکیاں تو یوں محروم ہوگئیں اور لڑکا بوجہ نابالغ ہونے کے محروم کر دیا گیا۔

ترمذی شریف میں حضرت جابرؓ سے قصہ اس طرح مروی ہے کہ حضرت سعد بن ربیعؓ کی بیوی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! سعد بن ربیع کی دولڑ کیاں ہیں اور ان کا باپ آپ کے ہمراہ جنگ احد میں شہید ہو گیا اور ان کا جو مال تھا وہ ان کے چچا نے لے لیا ہے اور بیٹیوں کو کچھ نہیں دیا اور بغیر مال کے ان کا نکاح نہیں ہوسکتا۔اس وقت تک آیت میراث نازل نہیں ہوئی تھی مگر آپؐ کو اطمینان ویقین تھا کہ اللہ تعالی اس ظالمانہ قانون کو وحی الٰہی سے ضرور بدل دیں گے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دینے میں توقف فرمایا؛ بس یہ فرمایا کہ خدا تعالی ان کے بارے میں فیصلہ فرمائیں گے۔

اس پر حق تعالی نے مذکورہ بالا آیت نازل فرما کر یہ بتلا دیا کہ مردوں کی کچھ تخصیص نہیں، مال متروکہ میں مردوں اور عورتوں دونوں کا حصہ ہے، حق تعالی نے مذکورہ بالا آیت میں حصہ کی مقدار نہیں بیان فرمائی، بلکہ عورتوں کا صرف مستحق میراث ہونا بیان فرمایا۔

بعدہٗ یوصیکم اللہ فی اولادکم الآیۃ نازل ہوئی جس میں اولاد، والدین، بیوی، شوہر سب کے حصوں کی تفصیل ہے گویا مذکورہ بالا آیت، یوصیکم اللہ کی تمہید ہے کہ اولاً مستحقین میراث کو بیان فرمایا اور ثانیاً میراث کے حصوں کی تفصیل بیان فرمائی۔اس کے نازل ہونے کے بعد آپ نے ان لڑکیوں کے چچا کے پاس آدمی بھیج کر کہلایا کہ سعد کے ترکہ میں سے اس کی لڑکیوں کو دو تہائی دے دو اور اس کی بیوی کو آٹھواں حصہ اور باقی تمہارا ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قال: جَاءَتْ امْرَأَةُ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ بِابْنَتَيْهَا مِنْ سَعْدٍ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! هَاتَانِ ابْنَتَا سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ، قُتِلَ أَبُوهُمَا مَعَكَ يَوْمَ أُحُدٍ شَهِيدًا، وَإِنَّ عَمَّهُمَا أَخَذَ مَالَهُمَا، فَلَمْ يَدَعْ لَهُمَا مَالًا وَلَا تُنْكَحَانِ إِلَّا وَلَهُمَا مَالٌ، قَالَ: يَقْضِي اللهُ فِي ذَلِكَ فَنَزَلَتْ: آيَةُ الْمِيرَاثِ، فَبَعَثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى عَمِّهِمَا، فَقَالَ: أَعْطِ ابْنَتَيْ سَعْدٍ الثُّلُثَيْنِ، وَأَعْطِ أُمَّهُمَا الثُّمُنَ، وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَكَ۔

(ترمذی رقم الحدیث ۲۰۹۲)

تشریح وتوضیح:

جو مال ماں باپ یا رشتہ دار مرتے وقت چھوڑ گئے ہیں اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی، خواہ وہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ، یہ حصہ خدا کا مقرر کیا ہوا ہے جس کا حقداروں کو دینا واجب ہے، اس

میں کمی اور زیادتی جائز نہیں یہ اللہ کا مقرر کردہ حصہ ہے یہ نہیں کہ تم جس قدر چاہو، دیدو، اور جتنا چاہے، نہ دو!۔

''**یو صیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین**'' میراث کا ایک قاعدہ کلیہ ہے جس نے لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کو میراث کا مستحق بھی بنایا اور یہ اصول بھی بتا دیا کہ جب مرنے والے کی اولاد میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہوں تو ان کے حصہ میں جو مال آئے گا تو اس طرح تقسیم ہوگا کہ ہر لڑکے کو لڑکی کے مقابلہ میں دوگنا مل جائے، مثلاً کسی نے ایک لڑکا، دو لڑکیاں چھوڑی تو مال کے چار حصے کر کے لڑکے کو دو حصے اور ہر لڑکی کو ایک ایک حصہ دیدیا جائے گا۔

قرآن مجید نے لڑکیوں کو حصہ دلانے کا اس قدر اہتمام کیا ہے کہ لڑکیوں کے حصہ کو اصل قرار دے کر اس کے اعتبار سے لڑکوں کا حصہ بتلایا، اور بجائے ''**للانثیین مثل حظ الذکر**'' دو لڑکیوں کو ایک حصہ کے بقدر فرمانے کے ''**للذکر مثل حظ الانثیین**'' لڑکے کو دو لڑکوں کے حصہ کے بقدر، کے الفاظ سے تعبیر فرمایا۔

میراث کی تقسیم سے پہلے

شریعت کا اصول یہ ہے کہ مستحقین کو میراث دینے سے پہلے کچھ اور تقاضوں کی تکمیل ہوگی بعدۂ میراث تقسیم ہوگی۔

۱- میت کے مال میں سے پہلے شریعت کے مطابق اس کے کفن دفن کے اخراجات پورے کئے جائیں، جن میں نہ فضول خرچی ہو اور نہ کنجوسی۔

۲- میت کے ذمہ اگر قرضہ ہو تو اولاً قرضہ ادا کیا جائے، اور اگر قرضہ اتنا ہی ہو جتنا اس کا مال ہے یا اس سے بھی زیادہ تو نہ کسی کو میراث ملے گی نہ کوئی وصیت نافذ ہوگی۔

۳- میت کے ذمہ اگر قرضہ نہ ہو، یا قرضوں کے ادائیگی کے بعد بھی مال بچ جائے تو اگر اس نے کوئی وصیت کی ہو (اور وہ وصیت ناجائز نہ ہو) تو مال موجود کے ایک تہائی حصہ میں سے اس کی وصیت پوری جائے گی، اگر کوئی شخص پورے مال کی وصیت کردے وصیت تب بھی تہائی مال ہی میں نافذ ہوگی۔

پیغام:

جس طرح مردوں کو مستحق وراثت سمجھا جاتا ہے اسی طرح عورتوں اور بچوں کو بھی اس حق سے محروم

نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ رشتہ اولاد کا ہو، یا ماں باپ کا، یا دوسری قسم کے رشتے، ہر ایک میں رشتہ داری کی حیثیت لڑکے اور لڑکی میں یکساں ہیں، جس طرح لڑکا ماں باپ سے پیدا ہوا ہے اسی طرح لڑکی بھی انہیں سے پیدا ہوئی ہے جب حق وراثت کا مدار رشتہ پر ہوا تو چھوٹے بچے یا لڑکی کو محروم کرنے کے کوئی معنی نہیں رہتے۔ پھر قرآن کریم کے اسلوب کو دیکھئے کہ " **للرجال والنساءنصیب** " کو جمع کر کے مختصر لفظوں میں ان دونوں کے حق کا بیان ہوسکتا تھا اس کو اختیار نہ کر کے مردوں کے حق کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اور اسی تفصیل وتشریح کے ساتھ عورتوں کا حق جداگانہ بیان فرمایا تا کہ دونوں کے حقوق کا مستقل اور اہم ہونا واضح ہو جائے۔

کچھ لوگ لڑکیوں کو تو حصہ دیتے ہیں مگر افسوس کہ بہنوں کو حصہ نہیں دیتے، اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے جہیز دے دیا، یا چھوچک " کیوکا" اور عید کے موقع پر عیدی دے دیں گے، بہنیں بھائی کا یہ ظالمانہ رویہ دیکھ کر دل دل میں کڑھتی رہتی ہیں، کہ ہم تمام بہن بھائی ایک چشمۂ زلال سے سیراب ہوئے ہیں، ایک چھاتی سے دودھ پیا ،ایک گھرانہ میں پرورش پائی، ایک ساتھ کھیلے، ایک ساتھ پلے بڑھے، جوان ہوئے، بہن کی محبت تو جوں کی توں رہی، مگر بھائی بدل جاتا ہے، ماں باپ کی پوری پراپرٹی پر قابض ہو جاتا ہے، بہن کا اپنے گھر آنا بھی پسند نہیں کرتا، اس کے تیور بدل جاتے ہیں کہ کہیں اپنے حق کا مطالبہ نہ کر دے، اور اگر علامات اور نشانیاں محسوس کرے کہ بہن اپنا حق لینے کی متمنی ہے اور اپنا حق چاہتی ہے تو بھائی کہتا ہے "اپنا حق لیا تو اِس گھر کے دروازے تم پر ہمیشہ کے لئے بند ہیں" اور بعض سنگ دل بھائی ایسا کر بھی دیتے ہیں، بہن اپنے بھائی اور بھتیجوں کا پیار کھونا نہیں چاہتی اس لئے با دل ناخواستہ شرما شرمی میں معاف کر دیتی ہیں کہ ملنے والا تو ہے ہی نہیں تو کیوں بھائیوں سے برائی مول لی، ایسی معافی شرعا معافی نہیں ہوتی ان کا حق بھائیوں کے ذمہ واجب رہتا ہے، یہ میراث دبانے والے سخت گناہ گار ہیں، کبھی کبھی تو بہنیں نابالغ بھی ہوتی ہیں، ان کو حصہ نہ دینا دوہرا گناہ ہے، ایک گناہ بہن کے حصہ کو دبانے کا اور دوسرا یتیم کے مال کو کھانے کا۔ حق بھی مارا تو کس کا، ایک کمزور کا، شرعی وارث کا، اپنی سگی و حقیقی بہن کا۔

شرعی اور اخلاقی فریضہ ہے کہ بہنوں کو ان کے شرعی حقوق بھی دیں اور ان کی آمد پر ان کا استقبال کریں، اور ان کو ہدایا و تحائف (خواہ قلیل مقدار میں ہی سہی) کے ساتھ خوش دلی سے رخصت کریں۔

(مستفاد از معارف القرآن)

انوارِ حدیث

ایک اہم نصیحت

مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری

استاذ حدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

وأنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ، وأنَّ الفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ، وأنَّ مَعَ العُسْرِ يُسْراً (مسند أحمد ۱/۳۰۷)

اور جان لو کہ نصرت صبر کے ساتھ ہے، کشادگی رنج وغم کے ساتھ ہے اور تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔

انسانی زندگی مختلف قسم کی معرکہ آرائیوں سے عبارت ہے، جس میں انسان کو ظاہری و باطنی، دینی ودنیوی مختلف قسم کے دشمنوں کا سامنا ہوتا ہے اور ان تمام معرکہ آرائیوں میں اللہ کی نصرت اور انسان کی کامیابی وغلبہ صبر کے ساتھ مربوط ہے، صبر مقصود کے حصول کا راستہ ہے اور ایسا کارگر ہتھیار ہے جس کے ذریعہ ظاہری و باطنی دشمنوں پر غلبہ پایا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب نفس انسانی کے لیے ایک قسم کا بوجھ اور مشقت کی چیز ہے اس لیے انسان کو صبر ومجاہدے کی ضرورت پیش آتی ہے تا کہ نفس، ہوی (خواہش) اور شیطان کی صورت میں موجود اپنے حقیقی دشمن پر غلبہ پا سکے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :اِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بالسُّوءِ (یوسف ۵۳) بیشک نفس تو بری ہی بات بتلاتا ہے، ''وَ لَاتَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ'' اور خواہش نفس پر نہ چلو کہ وہ تمھیں اللہ کے راستے سے گمراہ کر دے، اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے لہٰذا اس کو دشمن سمجھو۔

تو یہ ہیں انسان کے مخفی دشمن جو اس کے سامنے شہوتوں کی محبت کو مزین کرتے ہیں، اور طاعت سے اعراض اور معصیت کی طرف میلان کو اس کے سامنے سنوار کر پیش کرتے ہیں اور یہ دشمن بغیر کسی سستی کے برابر اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں، اس لیے انسان کے لیے بھی محنت ومشقت اور مجاہدہ ضروری ہے تا کہ ان دشمنوں پر غلبہ پا سکے اور نفس کو طاعت کا خوگر اور خواہش کو شریعت کے تابع بنائے اور اس کے لیے صبر اور مجاہدے سے کام لینا ضروری ہے۔

اور بلاشبہ جس نے صبر کے ذریعہ اپنے نفس پر قابو پالیا اور طاعت کو بجالانے والا اور معصیتوں سے بچنے والا بن

گیا تو اس نے اپنے باطنی دشمن نفس، ہویٰ اور شیطان پر غلبہ پالیا اور اس غلبہ کے نتیجے میں مومن کے سینے میں حق کی ایسی روشنی پیدا ہوتی ہے جس سے اس کا قلب منور ہو جاتا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ”والصَّبرُ ضِیاءٌ“ صبر روشنی ہے (مسلم ۱/۱۱۸)

جس طرح صبر کے ذریعہ باطنی دشمنوں پر غلبہ حاصل ہوتا ہے اسی طرح اس کے ذریعہ ظاہری دشمنوں پر بھی غلبہ اور کامیابی حاصل ہوتی ہے، چنانچہ انسان جس معاشرے میں رہتا ہے اس کے آس پاس مختلف مزاج واخلاق کے لوگ بھی ہوتے ہیں جن سے قسم قسم کی اذیتیں اور ناگوار باتیں بھی پیش آنا لابدی امر ہے، ایسی صورت میں انسان اگر تنگ دل ہو کر صبر کا دامن چھوڑ بیٹھتا ہے تو اس کی زندگی وبال بن جاتی ہے اور اگر وہ صبر وتحمل سے کام لیتا ہے اور عفو ودرگزر کرتا ہے تو خوشی، سعادت مندی اور کامیابی اس کے قدم بوس ہوتی ہے۔

کفار کی تدبیر اور منصوبے کو ناکام بنانے کا گُر

اگر مسلمان صبر وضبط اور تقویٰ سے کام لیں تو کافروں کی سب تدبیریں بے اثر اور ان کے تمام منصوبے ناکام ہو جائیں گے، اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی چاہے جتنی بھی اسکیمیں بنالیں انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا اِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ (آل عمران ۱۲۰) اور اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کئے رہو تو تم کو ان کی چالیں ذرا بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گی، بیشک اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

اس آیت کریمہ میں اور اس کے علاوہ بعض دیگر آیات میں بھی مسلمانوں کی تمام پریشانیوں کا حل اور ان کی فتح ونصرت کو صبر وتقوی کے ساتھ وابستہ بتلایا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صبر کا پھل اس دنیا میں رضا، اطمینان وسکون، عزت وسعادت، اللہ کی طرف سے تائید ونصرت اور دشمنوں پر غلبے کی صورت میں حاصل ہوتا ہے، اور اس کا اخروی ثمرہ اس سے بھی بڑھ کر ہے جو جنت کی بیش بہا نعمتوں اور بے حساب اجر وثواب کی صورت میں حاصل ہوگا ”اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ (الزمر ۱۰) صبر کرنے والوں ہی کو ان کا اجر بے شمار ملے گا۔

اللہ کی طرف سے بندے کو حاصل ہونے والا سب سے بہتر عطیہ صبر ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: وَمَا

أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً خَيرًا وَأَوسَعَ مِنَ الصَّبْرِ (البخاری ۱/ ۱۹۹، مسلم ۱/ ۷۳۳)۔

وأَنَّ الفَرَجَ مَعَ الكَربِ: (رنج وغم اور پریشانی کے ساتھ راحت ہے) یعنی انسان پر کبھی پے در پے آزمائشیں اور مصیبتیں آتی ہیں اور بسا اوقات وہ اتنی سخت ہوتی ہیں کہ لگتا ہے کہ رنج وغم انسان کی جان لے لیگا، یہ سب اللہ کی طرف سے امتحان ہوتا ہے، چنانچہ جب بندہ اس حال میں تنگ دل اور مایوس نہیں ہوتا بلکہ صبر واستقامت سے کام لیتا ہے اور ثواب کی امید رکھتا ہے تو وہ اس امتحان میں کامیاب ہو جاتا ہے اور پھر اس پر اللہ کی عنایت ہوتی ہے، اس کے غم چھٹ جاتے ہیں اور اس کو تنگی و پریشانی اور بے چینی سے نجات مل جاتی ہے اور اس وقت بندے کے سامنے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ پریشانی اور بے چینی اس خیر ہی کے لیے تھی جس کا اس کے لیے ارادہ کیا گیا تھا، اور یہ سب کچھ صرف اس لئے ہے بندۂ صادق کا قلب ماسوا اللہ سے منقطع ہو کر تنہا اپنے مالک حقیقی کی طرف متوجہ ہو جائے جس کے بارے میں اس کا یقین ہے کہ سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔

وأَنَّ مَعَ العُسْرِ يُسْراً: (اور تنگی کے ساتھ آسانی ہے) یعنی کوئی بھی تنگی و پریشانی انسان کے ساتھ ہمیشہ نہیں رہتی، اس لیے اللہ نے جو کچھ انسان کے لیے مقدر فرما رکھا ہے اس پر راضی رہنا چاہیے، اور اللہ کے احکام کا مکمل التزام کرنا چاہیے اور صرف اسی کی پناہ لینا چاہیے اور اللہ پر بھروسہ رکھے کہ وہ اس کی پریشانی وتنگی کو آسانی سے بدل دے گا۔

راحت کے پریشانی کے ساتھ اور آسانی کے تنگی کے ساتھ اتصال کا ایک راز یہ بھی ہے کہ بندے پر جب کوئی پریشانی اور تنگی آتی ہے اور وہ بڑھ کر اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو بندہ تمام مخلوق سے مایوس اور ناامید ہو کر اپنے رب حقیقی کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اب اس کو صرف اللہ ہی سے امید ہوتی ہے کہ وہ اپنے فضل وکرم سے اس تنگی و پریشانی کو دور فرمائے گا اور یہی توکل کی حقیقت ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’’وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ‘‘ اور جس نے اللہ پر توکل کیا تو اللہ اس کے لیے کافی ہے۔

لائحۂ عمل

حج : اسلامی وحدت ومساوات کا مظہر

از : مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی خیرآبادی

اسلام کی عظیم الشان عمارت پانچ ستونوں پر قائم ہے، ان پانچوں ارکان یعنی کلمہ توحید، نماز، زکوۃ، روزہ اور حج کو ان کے شرائط وآداب اور احکام وہدایات کے ساتھ قائم کرنا ہی ایک بندہ مومن کے لیے قصر اسلام کی تکمیل کرتا ہے، ان سب کے اپنے اپنے اوقات، اصول، ضابطے، فوائد واثرات اور معانی ومفاہیم ہیں۔

ہم حج کی حکمت ومصلحت اور اہمیت نیز اس کے دوررس اثرات، بین الاقوامی پیغام اور دینی وسماجی اور انسانی اعتبار سے حج کی افادیت پر غور کریں گے تو حج بیت اللہ کی مشروعیت کے اتنے مقاصد ہمارے سامنے آئیں گے کہ پھر اللہ کی عظمت وجلالت اور اپنے بندوں سے اس کی محبت کا یقین ہمارے دلوں کو منور کردے گا۔

حج بیت اللہ میں ایمانی وحدت اور انسانی مساوات

حج اپنے تمام ارکان واعمال اور احکام ومناسک میں امۃ واحدۃ کا نظارہ رکھتا ہے، ایک عقلی وتربیتی ترتیب قائم کرتا ہے، نماز اور حج کے درمیان کہ کس طرح اسلامی سال کے اختتام پر مکہ وعرفات اور منی کے مقدس مقامات پر جو بین الاقوامی سطح پر فرزندان توحید کا عظیم الشان اجتماع ہوتا ہے، اس اجتماع کا پہلا مرحلہ دوسرا، پھر تیسرا مرحلہ کس شان کے ساتھ پوری دنیا کے ہر خطہ، منطقہ اور ہر ملک وعلاقہ میں ترتیب وار انجام پاتا ہے اور مسلمانوں کو اتحاد واتفاق محبت ورواداری اور انسانیت ومساوات کی لڑی میں پروتا ہے۔

حج کسی خاص شہر یا علاقہ کا اجتماع نہیں ہے، بلکہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے کروڑوں مسلمانوں کو وحدت ومساوات کی سنہری زنجیر سے جوڑ دیا ہے، اس وحدتِ فکر ونظر اور مساوات نسل وجنس کا پہلا مظہر وہ اعلان حج ہے جو سیدنا ابراہیم خلیل اللہ معمار بیت اللہ کی زبان خلت وصداقت سے اول رب العالمین نے کر دیا تھا اور اللہ نے پوری دنیا میں اس کو عام کیا تھا ''وأذن فی الناس بالحج یأتوک رجالاً وعلی کل ضامر یأتین من کل فج عمیق''۔ (سورۃ الحج ۲۷)

اور فرمایا : اے ابراہیم! آپ لوگوں میں اعلان حج کردیں وہ تمہارے پاس پیدل بھی

آئیں گے اور ہر دور دراز وادیوں سے دبلی پتلی تیز رفتار اونٹنیوں پر بھی آئیں گے۔

اسی دن سے ایمان ویقین کی دولت سے بہرہ یاب فرزندانِ توحید ایام حج میں پروانہ وار ہر سال بیت اللہ کی زیارت، حج کی نیت سے کرتے ہیں، مسافت کی درازیاں، راہ کی دشواریاں، سفر کی صعوبتیں، وسائل کی قلتیں ان کی راہ کی رکاوٹ نہیں بنتیں، مکہ مکرمہ سے قریب تر مقامات کے حجاج پیدل ہی نکل پڑتے ہیں تو دور دراز علاقوں کے عازمین حج سواریوں پر سفر کرتے ہیں، عہد وزمانہ کی تبدیلی کے سبب آلات سفر اور ذرائع زیارت بدلتے گئے، پہلے اونٹ، گھوڑے، گدھے تھے، پھر موٹر گاڑیاں، کشتیاں اور اب جدید ترین آلات جو مہینوں کی مسافت دنوں میں طے کرادیتے ہیں، استعمال ہورہے ہیں، فضا میں اڑتے ہوائی جہاز، سمندر پر تیرتے پانی کے جدید جہاز حج کے مہینوں میں بسوئے حرم رواں دواں نظر آتے ہیں، دنیا کے ہر گوشہ، ہر خطہ، ہر ملک جہاں جہاں اہل ایمان بود وباش اختیار کئے ہوئے ہیں، وہاں وہاں سے اپنے اپنے ملک کے قانون وآئین سفر کے تحت سفر کرتے ہیں، رنگ وروپ، جنس ونسل کے تمام امتیازات کو مٹاتے ہوئے گورے کالے، عربی، عجمی، رومی، چینی، ایرانی تورانی، افغانی، ہندوستانی ہر فرد مسلم تمام ملکی تہذیبوں، روایتوں کو پس پشت ڈال کر ابراہیمی ومحمدی تہذیب میں ڈھل جاتا ہے، اسلامی وحدت کا ایک روح پرور نظارہ دنیا کے ہر براعظم، ہر ملک، ہر خطہ میں ہوتا ہے، احرام کی حالت میں ننگے سر، بکھرے بال، یاد خدا میں سرمست، تلبیہ کے کلمات بآواز بلند کرتے ہوئے والہانہ انداز، عاشقانہ جذبات کے ساتھ سوئے حرم کارواں کے کارواں چلے جارہے ہیں، انہوں نے اسلامی وحدت کے بتان رنگ وخون کو توڑ کر ملت میں خود کو گم کرلیا ہے۔

حج میں اسلامی وحدت ومساوات کامل آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہے، حج مسلمانانِ عالم کا وہ عالمی اجتماع اور بین الاقوامی کانفرنس ہے، جس میں کسی قوم ومذہب کے عقائد ونظریات پر بحث نہیں ہوتی، بلکہ پوری دنیا کے مسلمان جن کو اللہ رب العزت نے مدعو خصوصی کے طور پر اپنے گھر بلایا ہے وہ وہاں اپنی فدائیت وسپردگی کا ثبوت پیش کرتے ہیں، اپنے ہر ہر عمل سے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم اپنا محاسبہ کرنے، اپنے اعمال وکردار کا جائزہ لے کر اس کو اللہ کے رنگ میں رنگنے کے عمل سے گزر رہے ہیں، وہ اپنی حرکات وسکنات سے اعلان کرتے ہیں، **الحکم للہ و العظمۃ للہ**، وہ اپنی محبت کا پیمانہ مقرر کرتے ہیں، کہ ہماری زندگی میں زیادہ اشد حباً للہ کا اعلان اہمیت رکھتا ہے، لہٰذا ایک حاجی تمام تر دنیوی تعلقات کو پس پشت ڈال

کر احرام باندھتے ہیں، دربارالٰہی میں اپنی حاضری، فروتنی، خودسپردگی کا بلندی سے یہ اعلان کرتا ہے **لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک۔۔۔۔**

اے بارِ الٰہا! تیرا یہ عاجز بندہ تیرے دربار میں حاضر ہے، حاضر ہے یا رب العالمین، یہ دل کی گہرائیوں سے ببانگ دہل اعلان کررہا ہے کہ تیرا کوئی شریک نہیں نہ ذات میں، نہ صفات میں، تمام نعمتیں، برکتیں، رحمتیں تیری طرف سے ہی ہم کو مل رہی ہیں، ہم ہر ہر نفس تیری نعمتوں کے مرہون منت ہیں، تیری قدرت وطاقت کے سامنے سرنگوں، ہماری نمازیں، عبادتیں، قربانیاں سب تیرے لیے ہیں، تیرے در پر ہم نے اپنے آپ کوڈال دیا ہے، اپنے تمامتر جذبات واحساسات کے ساتھ خود کو تیرے حوالے کردیا ہے، ہم نے یک رنگی اختیار کرکے یہ اعلان کیا ہے کہ کسی انسان کو کسی دوسرے انسان پر حسب ونسب، قبیلہ وخاندان، رنگ وروپ، جنس وعنصر کے لحاظ سے نہ امتیاز حاصل ہے نہ برتری۔

حجاج کی طرف سے تلبیہ کی ادائیگی ہر جگہ مسلسل ہوتی ہے، پہاڑوں پر چڑھتے، وادیوں میں اترتے، جگہوں میں چلتے، قافلوں سے ملتے، صحرا میں گھومتے، منیٰ وعرفات اور مزدلفہ ہر جگہ حاجی اپنی حاضری درج کراتا ہے، طواف کعبہ کرتے وقت لاکھوں کی تعداد میں اسی وحدت کا نظارہ پیش کرتے ہیں کہ چاروں سمت کے مسلمان جس میں عربی وعجمی، گورے کالے سبھی ہیں، رومی وحبشی بھی یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ مختلف جہات سے آتے ہیں، ان کو صرف یہ یادرہتا ہے کہ کعبۃ اللہ نے پوری دنیا کو ایک قبلہ ایک مرکز، ایک دربار سے جوڑرکھا ہے، اس کے چہار سمت گھوم گھوم کر تمام سمتوں کو ایک محور پر مرکوز کردیتے ہیں۔

ان اعمال کے بعد حج کا سب سے اہم منشورِ وحدت، رسول کائنات محمد عربی کا وہ تاریخی خطبہ حجۃ الوداع ہے، جو عرفات ومنیٰ کے میدان نے گواہ بن کر سنا اور محفوظ کرلیا، ایک لاکھ چوبیس ہزار نفوس قدسیہ نے دل کے کان سے سنا اور اس خطبہ کی تفسیر وتصدیق وتوضیح بن گئے، یہ منتخب افراد تھے جن کو اللہ نے اپنے رسول صادق وامین کے تلامذہ کے طور پر براہ راست چنا تھا انہیں کے ذریعہ پوری دنیا میں اسلام کے منشور مساوات ووحدت عام کرنا تھا۔ رضی اللہ عنہم

حجۃ الوداع کا خطبہ ہی مسلمانوں کی اجتماعی طاقت وقوت منشور ہے کہ ہم ایک ہو کر خورشید مبیں بن سکتے ہیں اور شرک وکفر کی تاریکی سے دنیا کو نور ہدایت کی طرف لے جاسکتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستوری وآئینی خطبہ میں یہ بتا دیا کہ یہ منشور وحدت ومساوات قیامت تک غیر مبدل ہے، یہی اسلامی شان اور مسلمان کی پہچان کے ساتھ معیار عدل وانصاف اور شعار دین ہے، مسلمانوں کی شوکت وعزت، رفعت وعظمت، حکومت وقیادت کی ضمانت یہی آسمانی دستور وحدت ہے، آپ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں پوری انسانیت کو مخاطب کر کے فرمایا، انسانی حقوق کے اولین منشور اعظم کو آج تک کسی لیڈر یا تنظیم نے نہیں پیش کیا نہ ہی اقوام متحدہ اس اسلامی منشور کا عشر عشیر حق دے سکی ہے، یہ قیامت تک باقی رہنے کا عالمی منشور ہے، میثاق اعظم ہے۔

یا ایھا الناس! إن ربکم واحد وإن أباکم واحد ألا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی، ولا لأحمر علی أسود ولا لأسود علی أحمر الا بالتقوی، إن أکرمکم عند اللہ أتقاکم، ألا ھل بلغت؟ قالوا بلیٰ یا رسول اللہ! قال: فلیبلغ الشاھد الغائب۔

اے لوگو! بیشک تمہارا رب ایک ہے، تمہارے باپ ایک ہیں سنو کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوی کے ذریعہ۔ تقویٰ کا معیار اللہ کے نزدیک صرف تقویٰ ہے۔

پھر زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انسانی ابدی پیغام رسانی کی تصدیق چاہی گئی تو تمام صحابۂ کرام نے بیک زبان ہو کر اس کی تائید فرمائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

یہ ضروری ہے کہ انسانیت کے اِس پیغام کو موجود حضرات غیر موجودین تک پہونچائیں۔

مسلمانوں نے جب تک اس منشور وحدت ومساوات کو حرز جان بنائے رکھا وہ طاقت وقوت کا سرچشمہ تھے، حکومت وسیادت ان کے گھر کی باندی تھی، اقوام وملل ان کی عظمت وشوکت کے آگے سرنگوں تھی، لیکن جب مسلمانوں میں وطن وقوم، ملک وعلاقہ اور خاندان ومعاشرہ اور مسلک ومذہب کے نام پر انتشار واختلاف پیدا ہو گیا تو ساری طاقت وقوت بکھر کر رہ گئی، آج جو منظر ہے جو حالات ہیں اور مشرق وسطیٰ میں مسلمانوں کا قتل عام کرنے میں خود پاسبان حرم امریکہ واسرائیل کے معاون ومددگار ہیں، قبلۂ اول کے محافظین جس طرح بیت المقدس کا سودا کر رہے ہیں اس کے تناظر میں حج بھی ایک اجتماع محض، ایک رسم حضور اور زبانی نعرہ بازی بن کر رہ گیا ہے، اس سال بھی حج کے موقع پر لاکھوں لاکھ فرزندانِ توحید جمع ہوں گے، سربراہانِ مملکت آئیں گے، لیکن کچھ فرق نہیں آئے گا، فلسطین جل رہا ہے، جلتا دیکھ کر منھ پھیر کر چلے جائیں گے۔

ماہِ رواں

’’قربانی‘‘ تاریخ و پیغام

مولانا شفیق احمد قاسمی ابوظبی (امارات)

اسلام دین فطرت اور دستور ربانی ہے وہ اپنے ماننے والوں کو بلندیوں پر فائز ہونے کی ضمانت دیتا ہے اور کامیابی سے ہم کنار کرنے کا وعدہ کرتا ہے لیکن اس کے لئے وہ پہلے سچے جذبات اور طلب صادق کا امتحان لیتا ہے، پے در پے امتحانات سے گزارتا ہے، قدم قدم پر قربانی دینے کا مطالبہ کرتا ہے اور یہ قربانی مختلف الجہات ہوتی ہے، جب بندۂ مومن اپنی قربانیوں میں کھرا اترتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دنیوی ترقیات اور اخروی کامیابی کی راہ آسان کردیتے ہیں۔

یہی نظام قدرت ہے جس کا ہم نے مشاہدہ کیا ہے اور اقوام وملل کی تاریخ میں پڑھا ہے کہ دنیا کی کوئی قوم جب بڑا ہدف حاصل کرنا چاہتی ہے، عظیم تر انقلاب برپا کرنے کا حوصلہ دکھاتی ہے تب پے در پے قربانیوں کے بعد ہی اس کو اپنے مقصد میں کامیابی نصیب ہوتی ہے، یہی اصول ہماری عام روزمرہ کی زندگی میں بھی ہے۔

مثال کے طور پر ایک تاجر اسی وقت بڑا تاجر بنتا ہے جب وہ انتھک محنت کرتا ہے، اپنے اوقات کو دیانتداری کے ساتھ تجارت میں لگاتا ہے، ایک کسان اپنے کھیت سے حسب منشاء فصل اسی صورت میں حاصل کرسکتا ہے جب وہ اپنے کھیت کی مٹی کو الٹ پلٹ کر زرخیز بناتا ہے، اس میں کھاد پانی ڈالتا ہے اچھی طرح جوتائی کرتا ہے، گھانس پھونس کو ختم کرتا ہے پھر اس میں بیج ڈالتا ہے وقت پر سینچائی کرتا ہے، گوڑائی کرتا ہے، اس کے لئے اس کو رات دن اپنے اوقات کی قربانی دینی پڑتی ہے۔

یہی حال ہماری اخروی زندگی کی سرفرازی اور کامیابی کا بھی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْ خُلُوْا الجَنَّةَ وَلَمَّا یَاتِکُمْ مثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ مَسَّتْھُمُ الْبَاسَاءُ والْضَرَّاءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ مَتیٰ نَصْرُ اللّٰہِ الاَ اَنْ نَصرَ اللّٰہِ قَرِیْب۔ (البقرہ ۲۱۴:)

کیا تم سمجھتے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ تم پر نہیں گزرے ان لوگوں جیسے حالات جو تم سے پہلے تھے، پہونچی ان کو سختی اور تکلیف اور جھنجھوڑے گئے یہاں تک کہ کہنے لگے رسول اور وہ لوگ

جوان کے ساتھ ایمان لائے تھے کہ کب آئے گی اللہ کی مدد،تو سنو! یقیناً اللہ کی مدد قریب ہے۔

اس آیت کریمہ نے واضح کردیا کہ ابتلاء وآزمائش، ایمان کی صداقت اور دین وشریعت پر استقامت کا امتحان ہے اور تمام نبیوں، رسولوں اور ان کی امتوں کو اس آزمائش سے بہرصورت گزرنا پڑا اور جب ان کے صبر وبرداشت کا پیمانہ بھر کر چھلکنے کے قریب تھا اور وہ صبر کا دامن چھوڑنے کو تھے کہ اللہ نے فرمایا کہ سنو اللہ کی نصرت واعانت تمہارے بالکل قریب ہے، پھر تاریخ شاہد ہے کہ ان پر ایمان باللہ کی پاداش میں ظلم وستم ڈھانے والی قوموں کو اللہ نے ہلاک وبرباد کردیا کہ ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہا، ان کے بلند وبالا مکانات، پرشکوہ ایوان کھنڈر بن کر آج تک درس عبرت دے رہے ہیں، قوم عاد وثمود اور فرعون کی مثال قرآن میں موجود ہے۔

لہٰذا اسلام اپنی تعلیمات وہدایات اور احکام میں ملتِ ابراہیم کی بنیاد پر قائم ہے، ابراہیم علیہ السلام کے بلند مقام اور رفعت شان کو قرآن کریم نے مختلف سورتوں میں بہت اہتمام سے بیان کیا ہے اور ان کی زندگی کو ازاول تا آخر دیکھا جائے تو پے درپے قربانیوں سے عبارت ہے، اس کی خاص وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدنا اسماعیل کی نسل میں پیدا فرما کر یہ بتانا تھا کہ یوں تو تمام نبیوں اور رسولوں کا اپنا اپنا درجہ اور مقام حاصل ہے لیکن ابراہیم علیہ السلام امام الناس ہیں اور خلت کی خلعت سے سرفراز کئے گئے ہیں لہٰذا انہیں کا طریقہ ادیان سماویہ کی تکمیل کرے گا اور انہیں کی دعاء پر رسول کائنات محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا جائے گا اور اسی نبی امی کی امت کو آخرالامم کا درجہ عطا کیا جائے گا، اور یہی امت دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل جائے گی اور اپنے وقت کے نمرودوں وفرعونوں کے سامنے کلمہ حق اس جرأت ایمانی کے ساتھ پیش کرے گی جس جسارت وہمت کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے سامنے پیش کیا تھا اور جس دردمند دل اور جذبۂ ایمانی کے ساتھ رسول انقلاب نے ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی نسل کے سامنے پیش کیا:

ابراہیم علیہ السلام کی قربانیوں پر ایک نظر

وَاِذِا بْتَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ ابراہیم کو ان کے رب نے کچھ باتوں میں آزمایا تو ابراہیم نے ان سب کو پورا کر دکھایا تب اللہ نے فرمایا کہ میں تم کو تمام لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش دراصل آپ کے مشن کو قیامت تک جاری رکھنے والی امت محمدیہ

کے لئے دارین کی کامیابی وسرفرازی کا روڈ میپ ہے، اسی پر گامزن ہوکر امت محمدیہ ہر دور میں عظمت وشوکت اورعزت ورفعت کے پرچم لہرا سکے گی اسی روڈ میپ سے انحراف اس کے لئے انحطاط وزوال کا سبب ہوگا اور تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کی قیادت وسیادت اور شان وشوکت کا عہد زریں اس وقت تک برقرار رہا جب تک وہ اپنے مشن کو جاری رکھنے میں ہر قسم کی قربانیاں دیتے رہے، اللہ کے دین کی اشاعت وحفاظت کرنے میں جان ومال ،وطن وقوم اور اہل وعیال کو چھوڑنا پڑا، گھروں سے نکل کر میدان جہاد میں جانا پڑا، سب کچھ تج کر راہ خدا میں نکلنا پڑا تو بلاتردد وہ نکلے اور دنیا والوں کے سامنے پوری قوت وجرأت کے ساتھ اعلاء کلمۃ اللہ کرتے رہے۔

ابراہیم علیہ السلام کی قربانیاں کیا تھیں امتحانات کس طرح کے تھے تو نہایت احتیاط کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ:

سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ رات دن اصنام سازی اور بت پرستی کا نظارہ سامنے تھا لیکن اللہ نے نبوت کا نور اُن کے قلب سلیم میں رکھا تھا، انہوں نے باپ کو شرک وکفر سے باز رہنے کی دعوت دی ادب واحترام کو ملحوظ رکھا، لیکن باپ نے ماننے کے بجائے بیٹے کو ہی گھر سے نکال دیا، ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے سامنے کلمۂ توحید پیش کیا تو نمرود نے دہکتی آگ میں ڈالنے کا حکم دیا، قوم سے مناظرہ کیا تو قوم جان کے درپے ہوگئی۔ یہاں تک کہ ابراہیم علیہ السلام کو اپنی بیوی اور مومن بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ عراق چھوڑنا پڑا، شام میں آباد ہوئے تو پیرانہ سالی میں اللہ نے فرزند اسمٰعیل عطا فرمایا لیکن ابھی وہ آغوش مادر میں ہی تھے کہ ماں اور بیٹے کو شام سے دور بہت دور بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑ آنے کا حکم ملا۔

ابراہیم علیہ السلام نے ہر مرحلہ پر سراپا اطاعت بن کر عمل کیا، گھر کو بلاتردد چھوڑ دیا، آتش نمرود میں بلاخوف وخطر کود پڑے اور اللہ نے اس آگ کو ان کے لئے گلشن بنا دیا، ہجرت کا وقت آیا تو راہ حق میں بے سروسامان مع اہلیہ وبھتیجہ نکل پڑے، نومولود کو اس کی ماں حضرت ہاجرہ کے ساتھ بغیر کسی ناگواری کے مکہ مکرمہ کی بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑ آئے۔

یہیں پر امتحان ختم نہیں ہوا بلکہ سب سے مشکل امتحان یہ لیا گیا کہ جب اسمٰعیل علیہ السلام دس بارہ سال کے ہوگئے تو بذریعہ خواب وحی آئی کہ اپنے لخت جگر کو ہماری راہ میں خود اپنے ہاتھوں سے ذبح کریں، ابراہیم علیہ السلام نے اپنا خواب بیٹے سے بیان کیا تو اس نے فوراً یاآبَتِ افْعَلْ مَاتُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصَّابِرِیْنَ کہ ابا جان آپ کو مجھے ذبح کرنے کا جو حکم ملا ہے اس پر بلادریغ عمل کریں اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والا ثابت قدم پائیں گے اور وہ ثابت رہے، اللہ نے ان کے فدیہ میں جنت سے مینڈھا بھیج دیا

اس لئے کہ اللہ کو ذبح کرانا مقصود نہ تھا بلکہ محض آزمائش تھی ، دنیاوالوں کودکھانا تھا کہ خودسپردگی، اطاعت شعاری، وفاداری، حق شناسی، خدا آگہی دیکھنا ہوتو حضرت ابراہیم کواوران کے خانوادہ کودیکھو، قربانیاں دیناان کا شعار ہے اور یہی امت محمدیہ کا شعار بنے گا وہ سنت ابراہیمی کے پیروکار ہوگی۔

اسلام میں اللہ تعالیٰ نے ایام اضحیہ میں اصحاب استطاعت مسلمانوں پر قربانی واجب فرمائی، جانور کی قربانی محض ایک تمثیل ہے ورنہ قرانی کی روح یہ ہے کہ قربانی کا نذرانہ پیش کرنے والا بندہ مومن یہ عزم کرے کہ اگر ضرورت پیش آئی تو اللہ کی رضا کے لئے اپنی جان ومال، آل واولاد، زمین وجائداد سب قربان کردوں گا کیونکہ میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کرلیا ہے جس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا میری نماز میری عبادت وقربانی میرا جینا ومرنا سب اللہ کے لئے مجھے اس بات کا حکم ملا ہے کہ میں شرک کا مرتکب نہ ہوں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ قربانی ہے کیا؟ یعنی اس کی تاریخ وحقیقت کیا ہے ہم قربانی کیوں کریں؟

حضرت زید بن ارقم سے روایت ہیکہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے سوال کیا کہ **ماهذه الاضاحی یارسول اللہ! قال سنة ابیکم ابراهیم علیه السلام قالوا فمالنا فیها یارسول اللہ! قال بکل شعرة حسنة، قالوا افالصوف یارسول اللہ؟ قال بکل شعر من الصوف حسنة۔** (رواہ احمد وابن ماجہ)

یہ قربانی کیا ہے یارسول اللہ؟ تو فرمایا کہ یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، توصحابہ نے عرض کیا تو ہمیں اس قربانی سے کیا حاصل ہوگا؟ فرمایا! ہر بال کے بدلے نیکی ملے گی، عرض کیا اوراون کے ساتھ کیا ہے تو فرمایا اون کے ہر بال پر بھی نیکی ملے گی۔

قربانی کا جواجر وثواب ہے وہ ہم آپ بارہا سن چکے ہیں اور پڑھ چکے ہیں اس لئے اس سے صرف نظر کرتے ہوئے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس دنیا میں جوعزت واحترام، شان وشوکت اور طاقت وقوت حاصل ہوئی اس کا پس منظر کیا ہے تو آپ کے سامنے وہ منظر ضرور آئے گا کہ مکہ میں فدا کاران مصطفیٰ کو کن کن مصائب ومشکلات اور ظلم وستم، جبر واستبداد سے گزرنا پڑا، سرداران مکہ اور ایمان لانے والوں کے اعزہ واقربا نے کیسے کیسے مظالم ان بے گناہوں پر نہیں توڑے، لیکن قربان جائیے ان کے ایمان کی صلابت، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت پر کہ انہوں نے سب کچھ گوارہ کرلیا یہاں تک کہ ہجرت کر کے کوئی حبشہ چلا گیا، کوئی مدینہ چلا گیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جان ومال کی قربانی دی، وطن کی قربانی

دی، اہل وعیال کی قربانی دی، اپنے سکون وراحت کو اللہ کی رضا کے لئے قربان کیا اور ہر موقع پر ثابت قدم رہے، استقامت سے جمے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ

قربانی کا پیغام موجودہ دور کے مسلمانوں کے نام

ہم کو جو اسلام ملا ہے وہ رواثت میں ملا ہے، آج عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی تو کرتے ہیں لیکن محض ایک رسم کے طور پر، بلکہ اب تو ایسا اندازہ ہو رہا ہے کہ نام ونمود کے لئے لاکھوں لاکھ کا بکرا خریدا جاتا ہے، شہرت ونمائش ہوتی ہے، قربانی کے ایام گزرجاتے ہیں اور ہم پھر اپنی پرانی روش پر لوٹ جاتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں ایمان کی قدر تھی، وہ غیور مسلمان تھے، اللہ کے لئے جینا اور مرنا ان کا شعار تھا، بڑی سے بڑی دولت اللہ کی راہ میں قربان کردیتے تھے، انہوں نے اپنے وقت کی قربانی، مال کی قربانی دی، جہاد فی سبیل اللہ میں جان کی قربانی دی، وہ ایمان ویقین کے پیکر تھے، ان کا اپنا ایمان عزیز تھا، اس کے لئے سب کچھ تج دینا، ترک کردینا آسان تھا، اس لئے راہ حق میں ہر قربانی کے لئے ہمہ دم تیار رہتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زمین وآسمان کی نعمتیں کھول دیں، کامیابی وکامرانی کے دروازے کھول دیئے، فتح ونصرت ان کے قدم سے قدم ملا کر ملتی تھی، جدھر نکل پڑتے تھے اس جانب کا منظر بدل دیتے تھے، شرک کی آماجگاہوں میں قدم رکھا تو ایمان کی باد بہاری چلنے لگی، قیصر وکسریٰ کے مقابل تلوار چلائی تو روم وفارس ان کے پیروں کی خاک بن گئے، جدھر رُخ کیا فتح وکامیابی نے خوش آمدید کہا۔

آج بھی اسلام ہم سے اسی قربانی کا مطالبہ کرتا ہے جو حضرت ابراہیم نے پیش کی تھی، جو قربانی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیش کی، جس قربانی کے بعد ہی جنت کا حصول ممکن ہے اور اللہ کی خوشنودی حاصل ہوسکتی ہے۔

ماہِ رواں

عشرۂ ذی الحجہ: فضائل واحکام

مولانا مفتی ابوجندل قاسمی

استاذ تفسیر وحدیث مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ ضلع مظفرنگر یوپی

ماہِ ذی الحجہ اسلامی سال کا آخری مہینہ ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ماہِ ذی الحجہ کے شروع کی دس راتوں کی قسم کھائی ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالْفَجْرِ۔ وَلَيَالٍ عَشْرٍ۔ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ۔ قسم ہے فجر کے وقت کی، اور دس راتوں کی، اور جفت کی اور طاق کی۔ (حضرت تھانویؒ)

ان تین آیتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے چار قسمیں کھائی ہیں، عبد اللہ بن عباسؓ، امام التفسیر مجاہدؒ اور عکرمہؒ وغیرہ کے بقول فجر سے مراد یوم النحر یعنی دس ذی الحجہ کی فجر ہے، اور دس راتوں سے مراد ذی الحجہ کی شروع کی دس راتیں، جفت سے مراد ذی الحجہ کی دسویں تاریخ یعنی قربانی کا دن، اور طاق سے مراد نویں تاریخ یعنی عرفہ کا دن ہے۔ (تفسیر قرطبی ۲۰/ ۲۷)

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی بات کا یقین دلانے کے لیے قسم کھانے کی ضرورت نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کی قسم کھانا اس چیز کی عزت وحرمت پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ان راتوں اور دنوں کی قسم کھانا ان کی عظمتِ شان اور اہمیت پر دلالت کررہا ہے۔

احادیثِ شریفہ میں بھی عشرۂ ذی الحجہ کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، چناں چہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَا مِنْ اَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيهِنَّ اَحَبُّ اِلَى اللهِ مِنْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ الْعَشَرِ فقالوا یارسول اللہ وَ لَا الْجِهَادُ فی سَبِيْلِ اللهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ و لَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهٖ وَ مَالِهٖ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِکَ بِشيءٍ۔ (ترمذی شریف ۱/ ۱۵۸، سنن ابی داؤد حدیث ۲۴۴۰، بخاری شریف ۱/ ۱۳۲) یعنی اللہ تعالیٰ کو عملِ صالح جتنا ان دس دنوں میں محبوب ہے اتنا کسی دوسرے دن میں نہیں، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا جہاد فی

سبیل اللہ بھی اتنا محبوب نہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں جہاد فی سبیل اللہ بھی اتنا محبوب نہیں، مگر یہ کہ کوئی شخص اپنی جان و مال لے کر نکلا اور ان میں سے کوئی چیز لے کر نہ لوٹا، سب کچھ اللہ کے راستے میں قربان کر دیا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **مَا مِنْ اَیَّامٍ اَحَبُّ الی اللّٰہ اَنْ یُتَعَبَّدَ لَہٗ فِیْھَا مِنْ عَشَرِ ذِی الْحِجَّۃِ یَعْدِلُ صِیَامُ کُلِّ یَوْمٍ مِنْھَا صِیَامَ سَنَۃٍ وَ قِیَامُ کُلِّ لَیْلَۃٍ مِنْھَا بِقِیَامِ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ** ۔ (ترمذی شریف ۱/۱۵۸) یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی اور دن میں عبادت اتنی محبوب نہیں جتنی ذی الحجہ کے دس دنوں میں محبوب ہے، عشرۂ ذی الحجہ کے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر (ثواب رکھتا) ہے اور ہر رات میں (عبادت کے لیے) قیام شب قدر میں (عبادت کے لیے) قیام کے برابر ہے۔

عشرۂ ذی الحجہ کے اعمال: ذی الحجہ کے ان دس دنوں میں کچھ اعمال خصوصی طور پر مقرر کیے گئے ہیں، ان کو بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے-

۱-عشرۂ ذی الحجہ کے روزے: (یکم ذی الحجہ سے نو ذی الحجہ تک روزے رکھنا) ان ایام میں روزہ رکھنے کا عظیم ثواب ہے، حدیث شریف گزر چکی ہے کہ ایک روزہ رکھنے کا ثواب ایک سال روزہ رکھنے کے برابر ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص محض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک معمول کی پیروی کی نیت سے ان ایام میں روزہ رکھے تو بڑے اجر وثواب کی امید ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ، اگر سب روزے نہ رکھے تو کم از کم ''یوم عرفہ'' کا روزہ ضرور رکھ لے، کیوں کہ اس ایک روزے سے دو سال (سال گزشتہ و آئندہ) کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اسی طرح راتوں میں اپنی ہمت کے مطابق بیدار رہ کر عبادت کرنا، کہ اگر کسی ایک رات میں بھی عبادت کی توفیق ہو گئی تو گویا اس کو شب قدر میں عبادت کی توفیق ہو گئی۔

۲-بال و ناخن نہ کاٹنا: دوسرا عمل ان دنوں میں یہ ہے کہ جس شخص کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد حجامت نہ بنوائے، اور نہ ناخن کاٹے، قربانی کرنے کے بعد اس ضرورت کو پورا کرے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: مَنْ کَانَ لَهٗ ذِبْحٌ یَذْبَحُهٗ فَاِذَا اَهَلَّ هِلَالُ ذِی الْحِجَّةِ فَلَا یَأْخُذَنَّ مِنْ شَعْرِهٖ وَلَا مِنْ اَظْفَارِهٖ شَیْئاً حَتّٰی یُضَحِّیَ۔ (مسلم شریف ۲/۱۶۰) جس شخص کے پاس کوئی جانور ہو جس کو ذبح کرنے کا اس کا ارادہ ہو پس جب ذی الحجہ کا چاند نظر آجائے تو وہ قربانی کرنے تک اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔

اس کی وجہ علماء کرام نے یہ بیان فرمائی ہے کہ دراصل یہ عشرہ حج کا ہے، انہیں ایام میں حجاج احرام باندھ کر مکہ مکرمہ حاضر ہوتے ہیں اور حج کرتے ہیں، اور احرام کی حالت میں ان لوگوں پر شریعت نے بہت سی پابندیاں عائد کی ہیں، مثلاً سلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتے، خوشبو نہیں لگا سکتے، وغیرہ وغیرہ، انہیں میں سے ایک پابندی یہ ہے کہ بال اور ناخن نہیں کاٹ سکتے، ظاہر ہے کہ حج کی برکات اور احرام کی یہ پابندیاں انہیں لوگوں کے لیے ہیں جو وہاں حاضر ہو کر حج کریں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے سارے اہل ایمان کو اس کا موقع دیا ہے کہ جب حج کے یہ ایام آئیں تو وہ اپنی اپنی جگہ رہتے ہوئے بھی حج اور حجاج سے ایک نسبت پیدا کرلیں، اور ان کے کچھ اعمال میں شریک ہو جائیں، اور اس طریقے سے بھی حجاج سے ایک مناسبت و مشابہت پیدا کریں، (مستفاد از معارف الحدیث بتغیرٍ ۳/۴۱۸)

امید ہے کہ جس وقت میدان عرفات اور دیگر مقاماتِ مقدسہ میں اللہ تعالیٰ اپنے ان عاشقوں پر رحمت کی بارش برسائیں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اور آپ بھی اس سے محروم نہیں رہیں گے۔ کیوں کہ : رحمتِ حق بہانہ می جوید ☆ رحمتِ حق بہانمی جوید۔

فائدہ: مگر یہ مسئلہ اس شرط کے ساتھ ہے کہ زیر ناف، بغلوں کی صفائی اور ناخن کاٹے چالیس روز نہ گزرے ہوں، اگر چالیس دن گزر گئے ہوں اور عشرۂ ذی الحجہ چل رہا ہو تو پھر ان چیزوں کی صفائی ضروری ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۷/۴۹۶، جامع الفتاویٰ ۸/۱۴۳)

۳۔ شب عید میں عبادت: تیسرا عمل یہ ہے کہ عید کی رات میں بیدار رہ کر اپنی ہمت و طاقت کے مطابق عبادت کرے، عید الفطر کی رات ہو یا عید الاضحیٰ کی، دونوں راتوں میں عبادت کرنے کی بعض احادیث شریفہ میں بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، چناں چہ حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ قَامَ لَیْلَتَیِ الْعِیْدَیْنِ مُحْتَسِباً لِلّٰهِ لَمْ یَمُتْ قَلْبُهٗ یَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ۔ (ابن ماجہ ص ۱۲۷، حدیث ۱۷۸۲) جو شخص عیدین کی راتوں میں (عبادت کے لیے) کھڑا ہو اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے

تواس کادل اس دن (قیامت کے دن) نہیں مرے گا جس دن بہت سے دل مرجائیں گے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ پانچ راتوں میں دعارد نہیں ہوتی، ضرور قبول ہوتی ہے، جمعہ کی رات، رجب کی پہلی رات، نصف شعبان کی رات، اور عیدین کی راتیں۔ (شعب الایمان للبیہقیؒ ۳/ ۳۴۲، حدیث ۳۷۱۳)

۴۔**تکبیر تشریق**: چوتھا عمل ان ایام میں ''تکبیر تشریق'' ہے، تکبیرِ تشریق کے الفاظ یہ ہیں: اَللّٰہُ اکبر اَللّٰہُ اکبر لا اِلٰہ اِلّا اللہ وَاللّٰہُ اکبر اَللّٰہُ اکبر ولِلّٰہِ الحمد، تکبیرِ تشریق میں تین معزز اور مقرب بندوں کے الفاظ موجود ہیں: (۱) جس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کیا جارہا تھا اور حضرت جبریل علیہ السلام مینڈھا لے کر تشریف لائے تو انہوں نے ذبح کرنے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عجلت کو محسوس کر کے فرمایا: اللّٰہُ اکبر اللّٰہُ اکبر، (۲) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آسمانی قربانی کو دیکھا تو فرمایا: لا الٰہ الاّ اللّٰہُ و اللّٰہُ اکبر، (۳) جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہ معلوم ہوا تو فرمایا: اللّٰہُ اکبر و لِلّٰہِ الحمد۔ (شامی بیروتی ۳/ ۵۸)

یہ تکبیر یومِ عرفہ یعنی نو ذی الحجہ کی نمازِ فجر سے شروع ہو کر تیرہ (۱۳) ذی الحجہ کی عصر کی نماز تک جاری رہتی ہے، یہ کل تیئس (۲۳) نمازیں اور نمازِ عیدالاضحیٰ کو ملا کر چوبیس (۲۴) نمازیں ہو جاتی ہیں۔

ہمیشہ سچ ہی بولو

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سچائی کو لازم پکڑلو، اور ہمیشہ سچ ہی بولو، کیونکہ سچ بولنا نیکی کے راستے پر ڈال دیتا ہے، اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے اور آدمی جب ہمیشہ سچ بولتا ہے اور سچائی ہی کو اختیار کرلیتا ہے تو وہ مقام صدیقیت تک پہنچ جاتا ہے اور اللہ کے یہاں صدیقین میں لکھا جاتا ہے اور جھوٹ سے ہمیشہ بچتے رہو کیونکہ جھوٹ بولنے کی عادت آدمی کو بدکاری کے راستہ پر ڈال دیتی ہے اور بدکاری اس کو دوزخ تک پہنچا دیتی ہے اور آدمی جب جھوٹ بولنے کا عادی ہو جاتا ہے اور جھوٹ کو اختیار کرلیتا ہے تو انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے یہاں کذابین میں لکھ لیا جاتا ہے۔ (ترمذی ۲/ ۱۸)

اسلامی تعلیمات

دسترخوان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

محترم سید عاصم محمود (ماہنامہ ''الفاروق'')

حضرت عمرو ابن ابی سلمہؓ سے روایت ہے کہ میں لڑکپن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں زیر تربیت تھا، کھانے کے وقت میرا ہاتھ پوری پلیٹ میں چکر کھایا کرتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بسم اللہ پڑھو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور قریب سے کھاؤ'' یعنی پلیٹ کا جو کنارہ تمہارے سامنے ہے، وہیں سے کھاؤ، ساری پلیٹ میں ہاتھ کو نہ گھماؤ۔

عمرو ابن ابی سلمہؓ کی یہ حرکت بظاہر ایک معمولی بات تھی، لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نصیحت کی اور کھانے کے ضروری آداب بتائے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ معمولی معمولی باتوں میں بھی آن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی تعلیم وتربیت کا کتنا خیال رہتا تھا۔

یاد رہے کہ حضرت عمرو بن ابی سلمہ، ام المؤمنین ام سلمہؓ کے پہلے شوہر ابو سلمہؓ کے پہلے لڑکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اولاد کی طرح ان کی تربیت کا خیال رکھتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کھانے پر نکتہ چینی نہیں کی۔ اگر خواہش ہوئی تو کھالیا اور اگر ناپسند ہوا تو چھوڑ دیا۔ یعنی اصل چیز زندگی کے لیے کھانا ہے، نہ کہ کھانے کے لیے زندگی۔ اس لیے جس کے سامنے زندگی کا اعلیٰ نصب العین ہو، وہ کھانے پینے کی چیزوں میں میخ نکالتا ہے اور نہ بات بات پر گھر والوں کو ٹوکنے اور ان سے الجھنے کی کوشش کرتا ہے۔

ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم کھاتے ہیں۔ سیری نہیں ہوتی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا ''شاید تم لوگ الگ الگ کھاتے ہو؟'' صحابہ نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مل کر کھانا کھایا کرو اور اللہ تعالیٰ کے نام کا بھی ذکر کرو، تمہارے کھانے میں برکت ہوگی''۔

ایک دفعہ ایک صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپس میں محبت بڑھانے کا عملی طریقہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی حکیمانہ اور بلیغ مشورہ دیا ”مل جل کر کھایا کرو“۔ ایک ہی دسترخوان پر مل جل کر کھانا محبت بڑھانے کا واقعی بہترین طریقہ ہے۔ بڑے سے بڑا دشمن بھی اگر ایک وقت کا کھانا مشترکہ دسترخوان پر بیٹھ کر کھالے تو دشمنی کا جذبہ ماند پڑ جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس کے ہاتھ میں چکنائی ہوگی، وہ اسے دھوئے بغیر سو گیا اور اسے کوئی نقصان پہنچا تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے“۔ یعنی کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہاتھ دھولینا ضروری ہے۔ خصوصاً جب کہ ہاتھ میں چکنائی لگی ہوئی ہو۔

آداب طعام کی ان نفاستوں کے علاوہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کھانے کا کوئی ایسا اہتمام نہ تھا کہ روزانہ معمولاً کوئی غذا آپ کے دسترخوان پر ہوتی۔ زندگی کے دوسرے شعبوں میں جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سادگی کو اپنا شعار بنایا، ان کا دسترخوان بھی سادگی کی مثال تھا۔ لذیذ، مرغن اور پُرتکلف کھانوں سے ہمیشہ اجتناب فرمایا اور ہمیشہ سادہ غذائیں استعمال کیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر چپاتی نہیں کھائی۔

علامہ ابن حجرؒ اس حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چپاتی نہ کھانا حرمت کی بنا پر نہ تھا، بلکہ باریک اور پتلی روٹی عموماً عیش پرستوں کی غذا ہوتی ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر اس سے اجتناب کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر زمین پر دسترخوان بچھا کر کھانا کھایا کرتے، بالعموم گھٹنوں کے بل یا اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھاتے، سہارا یا ٹیک لگا کر کھانا نہ کھاتے، کھانے میں عجلت سے کام لیتے اور فرماتے میں اس طریقے سے کھانا کھاتا ہوں، جیسے غلام اپنے آقا کے سامنے، کھانا تین انگلیوں سے کھاتے، بسم اللہ سے شروع کرتے اور خدا کی حمد وثنا پر ختم فرماتے۔

کھانے کے معاملے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ جو حلال غذا سامنے رکھ دی جاتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے تناول فرما لیتے اور اسے رد نہ فرماتے اور نہ کبھی غیر موجود چیز کے طلب میں تکلف فرماتے، البتہ اگر

طبعاً کوئی چیز غیر مرغوب ہوتی تو اسے نہ کھاتے، نہ کسی کھانے کے مزے دار نہ ہونے کی شکایت فرماتے، دسترخوان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جو چیز سامنے رکھی ہوتی اسے کھانا شروع کرتے، ادھر ادھر ہاتھ نہ بڑھاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ دوسروں کے سامنے رکھے ہوئے کھانوں پر ہاتھ چلایا جائے، عموماً بھوک رکھ کر کھانا کھاتے۔ فرمایا کرتے "مومن کی شان یہ ہے کہ وہ غذا کم کھایا کرے"۔ بعض چیزوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ رغبت تھی۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

گوشت

حدیث کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیڑ، بکری، دنبہ، اونٹ، گائے، خرگوش، مرغ، بٹیر اور مچھلی کا گوشت کھایا ہے، دست کا گوشت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند اور مرغوب تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دست کا گوشت فی نفسہ چنداں مرغوب نہ تھا، بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ چوں کہ کئی کئی روز تک گوشت دسترخوان پر نہ ہوتا تھا، اس لیے جب کبھی مہیا ہو جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش ہوتی کہ جلد پک کر تیار ہو جائے، چوں کہ دست کا گوشت جلد گل جاتا ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کو پسند فرماتے تھے، لیکن دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ اس خوبی کے دست کا گوشت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے حصوں سے زیادہ مرغوب تھا۔

ثرید

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ثرید بہت مرغوب تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے نہایت شوق سے تناول فرماتے اور اس کی تعریف کرتے۔

ثرید بنانے کی ترکیب یہ تھی کہ روٹی کے ٹکڑے گوشت کے شوربے میں توڑ دیے جاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے کھانوں پر اس کو فضیلت دیتے تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مرد تو بہت کامل انسان بنے، عورتوں میں مریم بنت عمران اور آسیہ فرعون کی بیوی کامل انسان ہوئیں اور عائشہؓ کو عورتوں پر ایسی فضیلت و فوقیت ہے جیسے ثرید کو دوسرے کھانوں پر"۔

پنیر، حلوہ، شہد

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ تبوک کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پنیر پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری طلب کی اور اس سے بسم اللہ پڑھ کر پنیر کاٹا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حلوہ اور شہد مرغوب طبع تھے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ شہد میں لوگوں کے لیے شفا ہے، اسی لیے وہ زیادہ پسند تھا، اس حدیث میں جس حلوے کا ذکر ہے وہ چھواروں کو دودھ میں پکا کر تیار کیا جاتا تھا۔

چھوہارا

چھوہارا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس گھر میں چھوہارا نہ ہو، اس کے رہنے والے بھوکے ہیں۔

یوسف بن عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں "میں نے دیکھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر چھوہارا رکھا اور فرمایا یہ اس کا سالن ہے۔

دودھ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دودھ کو بہت زیادہ پسند فرماتے تھے، کبھی خالص نوش فرماتے، کبھی اس میں پانی ملا لیتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے جن غذاؤں کی افادیت بتائی، آج کی سائنس نے اس پر تحقیق کر کے ثابت کر دیا ہے کہ زندگی کی تندرستی کے لیے اسلام نے جن غذاؤں کی نشان دہی کی ہے وہ صحت اور حیات کے لیے لازمی ہیں۔ اب ہمارا بھی یہ فرض ہے کہ ہم اتنا کھائیں، جس سے زندگی کے دن آرام اور آسائش سے گزر سکیں۔ جینے کے لیے کھانا چاہیے، نہ کہ کھانے کے لیے جینا چاہیے۔

حالاتِ حاضرہ

نیا ہے زمانہ نئی روشنی ہے؟

مولانا عبد العلی فاروقی
ناظم دار العلوم فاروقیہ ومدیر اعلیٰ ماہنامہ ''البدر'' کاکوری لکھنؤ
Email:aafarooqi4@yahoo.com

مصلح قوم اکبرالہ آبادی نے علم اور تعلیم کی راہ سے آنے والے معاشرتی فساد و بگاڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں		کہ جن کو پڑھ کے بیٹے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

درج بالا شعر سے اکبر نے یہ پیغام دیا ہے کہ ہر کتاب اور اس کے ذریعہ آنے والا علم قابل اعتبار نہیں ہوتا۔اسی مضمون کو عربی کے ایک شاعر نے یوں بیان کیا ہے کہ ؎

ان کنت لا تدری فتلک مصیبة		و ان کنت تدری فالمصیبة اعظم

یعنی جانکاری نہ ہونا (بے علم ہونا) تو ایک مصیبت ہے لیکن اگر جانکاری ہوجائے (علم آجائے) تو مصیبت بہت بڑھ جاتی ہے۔

سیدھے سادے انداز میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ عام حالات میں جاہل اور بے پڑھا لکھا ہونا ایک عیب ہے۔کیوں کہ علم ایک روشنی ہے اور اس سے محروم انسان اندھیروں میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔لیکن اس کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ ایسا شخص جو جاہل اور بے پڑھا لکھا ہے اور وہ اپنے کو جاہل سمجھتا ہے تو وہ کسی صاحب علم ونظر کی بات کو آسانی سے تسلیم کرلیتا ہے۔کیوں کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نہیں جانتا اور یہ جانکار ہے، پھر یہ بات ''جاہل مطلق'' سے لے کر ''جزوی جاہل'' تک سب کے لئے یکساں طور پر کہی جاسکتی ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد مغرب کے ''تعلیم یافتہ'' اور ''اربن سول سوسائٹی'' سے تعلق رکھنے والے ''پڑھے لکھے جاہلوں'' کے دین ''لوان ریلیشن شپ'' اور اس کے کھلے ہوئے نقصانات پر ایک نظر ڈالنا مناسب ہے۔یہ گرما گرم موضوع ان دنوں چرچا میں ہائی کورٹ کی لکھنؤ بنچ کے اس دوٹوک تبصرہ کی وجہ سے ہے جس میں جسٹس اے آر مسعودی اور جسٹس اجے کمار شریواستو پر مشتمل دو رکنی بنچ نے شاداب خاں نامی ایک مسلم اور ایک

ہندو لڑکی کی جانب سے دائر کی گئی پٹیشن کی سماعت کرتے ہوئے یہ اہم تبصرہ کیا ہے کہ چوں کہ شاداب خاں کا تعلق جس مذہب سے ہے اس میں نکاحی بیوی کے رہتے ہوئے دوسری عورت کے ساتھ ''لوان رلیشن شپ'' کی اجازت نہیں ہے، اس لئے درخواست دہندگان کے اس رشتہ کو قانونی تحفظ فراہم نہیں کیا جا سکتا ہے۔ آئین ہند کی آرٹیکل ۲۱/ایسے کسی رشتے کے حق کو تسلیم نہیں کرتی ہے جس میں مختلف عقائد کے افراد کو کسی عمل سے منع کرتے ہیں۔ عدالتی تبصرہ کے مطابق آئینی اخلاقیات اور معاشرتی اخلاقیات کے درمیان ہم آہنگی رہنا ضروری ہے تا کہ سماجی اصولوں کی رعایت رکھتے ہوئے امن وامان کو قائم رکھا جا سکے۔

جہاں تک ہمارے ملک میں ''لوان رلیشن شپ'' اور اس سے آگے بڑھ کر ''ہم جنس پرستی'' کا معاملہ ہے تو ابھی کچھ عرصہ قبل تک مغرب کی ان لعنتوں کی ہمارے مشرقی معاشرہ میں کوئی گنجائش نہیں تھی۔ چنانچہ انگریزی حکومت نے ۱۸۶۱ء میں اس ملک کے لئے جو تعزیراتی قوانین بنائے تھے، اس میں ''ہم جنس پرستی'' کو قانونی جرم قرار دیتے ہوئے اس کے لئے باقاعدہ سزا کا التزام کیا تھا۔ جب کہ مغرب نے ''آزادی اظہار رائے'' کے حسین عنوان سے فحاشی و بے حیائی کو فرد کا ذاتی معاملہ قرار دے کر تمام مذہبی و اخلاقی حدود کو توڑتے ہوئے ''لوان رلیشن شپ'' کے نام سے زنا کاری کو اور اس سے بھی آگے بڑھ کر ''ہم جنس پرستی' کو قانونی جواز فراہم کر کے پورے معاشرہ کو بے راہ روی، فحاشی اور عریانیت سے آشنا کر دیا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ آج کے مغربی معاشرہ میں خاندان اور خاندانی رشتوں کا تصور ختم ہوتا جا رہا ہے اور ''فرد کی آزادی'' اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ ایک ہی کلب میں شوہر اور بیوی اپنے اپنے ''پارٹنر'' کے ساتھ ایک دوسرے کے روبرو بانہوں میں بانہیں ڈالے نظر آتے ہیں اور کسی کو نہ اس پر اعتراض کا حق ہوتا ہے نہ ہی اعتراض ہوتا ہے۔ کیوں کہ ان کی نظر میں یہی ''نئی آزادانہ تہذیب'' کا تقاضا ہے اور اسے خوش دلی کے ساتھ قبول نہ کرنے والے بیک ورڈ اور فرسودگی پسند قرار دیئے جاتے ہیں۔

بدقسمتی سے ہمارے مشرقی دیار میں بھی مغربی کلچر کی خوبیوں پر آنکھ بند کر کے یقین کرنے والے بھی عریانیت کی اس آندھی کی زد میں آ گئے اور اب ہمارے ملک میں بھی پہلے ''لوان رلیشن شپ'' کو پھر ''ہم جنس پرستی'' کو قانونی جواز حاصل ہو گیا۔ اور اسی کا ایک نمونہ عدالت عالیہ (ہائی کورٹ) میں پیش کیا جانے والا وہ زیر بحث مقدمہ ہے جس میں ایک شادی شدہ صاحب اولاد مسلمان نے اپنی جائز اور آئینی بیوی سے علیحدگی اختیار کر کے ایک غیر مسلم لڑکی کے ساتھ نہ صرف ''لوان رلیشن شپ'' قائم کیا، بلکہ اس کے تحفظ اور

اپنی سیکورٹی کے لئے عدالت میں کہار لگائی تھی۔صد شکر ہے کہ عدالت عالیہ کے جج صاحبان نے اس صریح ظلم کو مسترد کرتے ہوئے اسے قانونی جواز فراہم کرنے سے انکار کر کے مذہب اور سماج کے باغیوں کو راہ راست پر لانے کی ایک بہترین ولائق تحسین کوشش کی ہے۔

اپنے مذہب ہی نہیں، اپنی لائق فخر تہذیبی وراثت کی حفاظت، اور اسے ملیامیٹ کرنے کی کوشش کرنے والے ہوس پرستوں کی حوصلہ شکنی کے لئے ہر باشعور ہندوستانی کو ہائی کورٹ کے اس تبصرہ کی اتنی بلند آہنگی کے ساتھ تعریف وتحسین کرنا چاہئے کہ آئندہ کے لئے فتنہ گروں کی راہیں بند ہوجائیں۔

اگرچہ مغربی یلغار سے متاثر ہو کر ہمارے ملک میں ''لوان ریلیشن شپ'' (بالفاظ دیگر شوہر وبیوی کے مقدس رشتے کی مذہبی وسماجی پابندیوں اور فرائض وحقوق کی رعایت کے بغیر جنسی تعلقات قائم کرنے کو) اور اس سے بھی آگے بڑھ کر ایک غیر فطری رشتے ''ہم جنس پرستی'' کو ''آزادی رائے'' کی بنیاد پر قانونی جواز فراہم کر دیا گیا ہے، لیکن اس کے مضر اثرات اور سماج میں اس کے ذریعہ پیدا ہونے والے مسائل کا نوٹس لیتے ہوئے ہماری عدالتوں نے اس سے پہلے بھی اہم فیصلے دیئے ہیں۔ چنانچہ چھتیس گڑھ ہائی کورٹ کے جسٹس سنجے اگروال اور جسٹس گوتم کی بنچ نے دنتے واڑہ کے ایک معاملہ میں ''لوان ریلیشن شپ'' کو مغربی ممالک سے درآمد کی گئی اس سماجی لعنت کو بدبختی سے تعبیر کرتے ہوئے اسے ہندوستانی تہذیب وثقافت پر ایک توہین آمیز بدنما داغ قرار دیا تھا۔

آخر میں اس کا ذکر ہوجانا بھی مناسب ہے کہ یوں تو دنیا کے کسی بھی مذہب نے مذہبی تعلیمات کے مطابق باقاعدہ شوہر وبیوی کا جوڑا بنائے بغیر جنسی تعلقات قائم کرنے (یا دوسرے لفظوں میں زنا کاری) کو جائز نہیں قرار دیا ہے۔لیکن اسلام نے (جس زیر بحث معاملہ کو مرد نے اپنا رشتہ بتایا ہے) تو اسے بہت ہی سنگین جرم قرار دیتے ہوئے اس کی ایسی عبرت ناک سزا مقرر کی ہے جس سے اسلامی قوانین کی عملداری والے کسی خطہ میں اس جرم کے پنپنے کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ایسے میں اسلام سے اپنا رشتہ بیان کرنے والے کسی فرد کے اندر یہ ہمت نہیں ہونا چاہئے کہ وہ اپنے اس گھناؤنے عمل کے تحفظ کے لئے عدالت اور قانون کا سہارا لے سکے، اور عدالت کو اسے یہ احساس دلانے کی نوبت آئے کہ تم مسلمان ہو، اور اس ناطے سے تمہیں کسی رعایت کے طلب کرنے کا حق نہیں ہے۔لیکن اب اس کو کیا کہئے کہ ع نیا ہے زمانہ نئی روشنی ہے

تاریخِ اسلام

مدارس اسلامیہ کا تاریخی پس منظر

ابوالبرکات شاذ قاسمی
تعلیمی وملی فاؤنڈیشن جگیراہاں، بتیا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مدینہ ہجرت کرنے کے ساتھ ہی اسلام کی دعوت دور دراز ملکوں میں پھیلنے لگی تو مسجد قبا اور مسجد نبوی علوم ومعرفت کا مرکز بنیں، جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دین کی تعلیم اور وحی کی وضاحت کیا کرتے اوران کی روحانی تربیت کیا کرتے تھے، یہ تعلیم وتربیت کا سلسلہ صرف مردوں تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی تعلیم وتربیت اوران کے سوالوں کا جواب دینے کے لیے ایک مخصوص دن مقرر کررکھا تھا، جہاں عورتیں جمع ہوتیں اورآپ انہیں تعلیم دیا کرتے تھے۔

آپ کے بعد خلفاء راشدین کا زمانہ آتا ہے ان کے زمانے میں خاص طور سے عمر بن الخطاب کے دور خلافت میں تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی گئی۔آپ نے شہروں میں معلمین کو روانہ کیا تاکہ وہ نوعمر بچوں کو دین کی تعلیم دیں، خلفاء راشدین نے دینی علوم کو عصری علوم سے زیادہ اہمیت دی، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دنیاوی علوم بے کار ہیں بلکہ دنیاوی علوم بھی اس وقت مسجدوں اور مکتبوں میں دی جاتی تھیں۔

اسلامی فتوحات کا سلسلہ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ جاری رہا اور مسلمانوں نے زندگی کے ہر شعبہ کو فتح کیا، یہاں تک کہ اسلامی معاشرہ میں تہذیب وثقافت اور علوم ومعرفت کے مراکز بھی متعدد ہوتے رہے، مسجدیں جہاں تعلیم دی جاتی تھیں طلباء علوم ومعرفت سے معمور ہونے لگے، اس وقت تعلیم وتدریس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ معلم یا استاذ مسجد کے کسی ستون پر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتا اور طلباء یا شاگرد، ان کے ارد گرد حلقہ لگا کر بیٹھ جاتے، گویا ان میں کا ہر ایک دوسرے کے لئے ستون ہوتا، یہیں سے ایک لفظ بہت مشہور ہوا ”اساطین العلم“ یہ لفظ اس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو اپنے علم میں کافی مہارت رکھتا ہے۔

مرور ایام کے ساتھ یہ حلقہ؛ مسجد کی چہار دیواری سے نکل کر عرب وعجم تک بلکہ پوری دنیا میں پھیلا اور پوری

دنیا میں بڑے بڑے دانشور اور علماء پیدا ہوئے جو انہیں مساجد کے حلقوں سے تربیت پائے ہوئے تھے، ان مساجد کا علمی پیغام اندلس پہونچا تو وہاں عبد الرحمن الناصر مسجد قرطبہ کے امام ورئیس ہو گئے جو سب سے بڑی یونی ورسٹی تھی بلکہ دنیا کی سب سے بڑی یونی ورسٹی تھی جہاں تعلیم کا مفت انتظام تھا، یورپ ایشیا، آسٹریلیا افریقہ وغیرہ دور دراز مما لک سے طلباء جوق در جوق آتے، یہاں تک کہ مشرق کے نامور علماء جیسے ''ابن القوطیہ'' معلم نحو ''ابوعلی التالی'' مشہور کتاب ''الامانی'' کے مصنف وہاں کشاں کشاں پہونچ گئے، ان مسجدوں کی تعلیم وثقافت کی اہمیت کا اندازہ ہم آج بھی کر سکتے ہیں، ان میں سے بعض مسجدوں کی دینی وعلمی حیثیت آج بھی باقی ہے مثلاً ''جامع ازہر مصر'' جس کی شروعات مسجد کے حلقوں سے ہوئی تھی مگر آج عصری و دینی علوم کی حفاظت کا ایک مضبوط و مستحکم قلعہ ہے۔

تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ ملک شام کے قاری تھے، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فلسطین کے معلم تھے؛ حضرت ابودرداءؓ کا معمول تھا کہ ہر روز صبح قرآن کریم کا ایک حصہ یا آیت پڑھ دیتے اور طلباء اسے غور سے سنتے جب قرأت مکمل ہو جاتی تو ہر شخص اپنی صف سے نکل کر سامنے آتا اور اس کو دہراتا پھر اپنی جگہ چلا جاتا، یوں یہ سلسلہ آخری فرد تک چلتا رہتا، حدیث، تفسیر اور علم فقہ کی تعلیم وتدریس کا یہی طریقہ رائج تھا، ہر طالب علم کو خواہ اس کی نسل، ملک، ذات وبرادری کوئی بھی ہو، مسجد کا صحن ''خوش آمدید'' کہتا، اگر استاد لکڑی کے ٹکڑے، کرسی یا کسی اونچی جگہ پر بیٹھا کرتے، تعوذ وتسمیہ کے بعد قرآن کریم کی کسی آیت کا املا کرا دیتے اور طلباء اسکو لکھ لیتے یا یاد کر لیتے ،موجودہ عہد کی طرح کوئی نصابی کتاب موجود نہیں ہوتی، استاد پڑھاتے وقت آیات کی تفسیر بھی پیش کرتا اور طلباء املا کی کاپیوں پر اس کو حاشیہ کی شکل میں لکھ لیتے، جب جملہ پورا ہو جاتا یا بات پوری ہو جاتی تو استاد سبق کی تعین کے لیے ایک خط کھینچ دیا کرتے کہ یہاں سے کل آگے پڑھائی ہوگی اور یہ سب درس وتدریس کا کام مساجد میں ہی انجام دیا جاتا۔

مساجد کے حلقوں سے وابستہ ہونے کے بعد ہر طالب علم پڑھنے پڑھانے میں لگ جاتا اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ مساجد اعلیٰ تعلیم کے لئے ادارے تھے، رفتہ رفتہ مساجد سے متصل طلباء کے لئے رہائش گاہوں کا انتظام کیا گیا جو آگے چل کر ''مروجہ مدارس'' کی شکل اختیار کر گیا، ان مدرسوں میں رفتہ رفتہ طلباء کے قیام وطعام کا بھی انتظام ہونے لگا، ان میں سے بعض ایسے مدرسے تھے جن میں درس قرآن، حفظ قرآن، فقہ وعربی ادب کی تعلیم کا اہتمام تھا تو بعض دیگر فنون کی تعلیم وتدریس میں معروف ومشہور ہوئے، خاص طور سے کچھ مدرسے ایسے بھی تھے جس میں ڈاکٹری، کشتی رانی، علم کیمیاء وسائنسی علوم کی تعلیم دی جاتی تھیں اور طلباء کو متعلقہ فن کی ٹریننگ بھی دی جاتی تھی۔

غرض کہ مدارس کا لفظ ہر دور میں ان اداروں کے لیے بولا جاتا تھا جہاں دینی و عصری علوم کی تعلیم دی جاتی تھی آگے چل کر یہ ادارے مذاہب اربعہ کے موافق چار قسم کے ہو گئے جن میں فقہ حنفی، شافعی، مالکی، اور حنبلی کی الگ الگ تعلیم دی جانے لگی، تاریخ میں کچھ ایسے بھی ادارے ملتے ہیں جہاں دو مسلکوں کی تعلیم کا اہتمام تھا تو کسی میں اس سے زائد بھی۔ اس قسم کے مدرسوں کے لئے تاجر پیشہ واہل ثروت حضرات زمینیں وقف کیا کرتے تھے تو کبھی شاہ وقت کی نگرانی ہوتی۔

اس بات میں شدید اختلاف ہے کہ تاریخ میں سب سے پہلے ''مروجہ مدرسہ'' کی بنیاد کس نے ڈالی۔ علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ ''اسلام میں سب سے پہلا مدرسہ سلجوقی امیر ''امیر قوام الدین نظام الملک'' نے تاریخ کا سب سے پہلا مدرسہ ''مدرسہ نظامیہ'' بغداد میں ۴۵۹ھ/ ۱۰۶۵ء میں قائم کیا مگر حافظ شمس الدین ذہبی نے اپنی کتاب ''تاریخ اسلام'' میں اس سے اختلاف کیا ہے ان کا خیال ہے کہ نیشاپور کا ''مدرسہ بیھیہ'' نظام الملک کی ولادت سے قبل موجود تھا، ان کی رائے کی تائید علامہ المقریزی کے اس قول سے ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں ''**المدارس بما حدث فی الاسلام و لم تکن تعرف فی زمن الصحابه و لا التابعین و انما حدث عملها بعد الاربعه مأة من سنی الهجره و اول من حفظ عنه مدرسه فی الاسلام اهل نیشابور فبنیت المدرسه البیهیه و بنی بها ایضا الامیر نصر الدین سبکتگین مدرسه**'' جس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں پہلے مدرسہ کے طور پر ''مدرسہ نظامیہ'' مشہور ہے، مگر شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے قبل نیشاپور میں مدرسہ بیھیہ موجود تھا۔

اوپر مذکور ہوا کہ مسجدوں کے حلقوں سے منتقل ہو کر مدرسے مسجدوں سے متصل کمروں میں چلے گئے تھے جہاں طلبہ، اساتذہ، شیوخ اور فقہائے کرام کی آرام گاہیں ہوا کرتی تھیں اس بات کی صراحت ''ابن القوطی کی'' **الحوادث الجامعه** میں بھی دیکھی جاسکتی ہے، ساتھ ہی مدرسہ مستنصریہ کے بارے میں دکتور احمد فکری کی وضاحت ہے، ان کی تحقیق کے بموجب بھی مساجد کے متصل مدارس کے کمروں میں فقہائے کرام، طلباء عظام کی رہائش گاہیں ہوتی تھیں، وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اجرت معلومہ پر بھی مدرسین کو رکھا جانے لگا اور وسیع پیمانے پر علمی، تحقیقی اور تدریسی کام انجام پانے لگا۔

مدارس کی تعلیمی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے ہمیں چند قدیمی مدرسوں کی تاریخ سے بھی واقفیت ہوتی ہے جن کی تعلیمی خدمات تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھی گئی ہیں، جہاں اعلیٰ پیمانے پر تعلیم کا باضابطہ انتظام وانصرام تھا ان میں مدرسہ ''سلطان حسن قاہرہ'' کا نام اہم ہے جو قاہرہ میں سلطان صلاح الدین کے قلعے کے میدان میں واقع تھا اس کا قیام ۷۶۴ھ/ ۱۳۶۳ء میں عمل میں آیا، یہ اس وقت کا سب سے بڑا مدرسہ شمار کیا جاتا تھا یہ حلب کے ''مدرسہ فردوسیہ'' کے بعد سب سے بڑا مدرسہ تھا، اسی طرح فارس

کا ”مدرسہ العطارین“ بھی ان قدیم مدرسوں میں سے ہے جس کو ”مدرسہ عظمی“ کے نام سے بھی جانا جاتا تھا، اس مدرسے کی تعمیر ابوسعید عثمان علی الشیخ عبداللہ بن القاسم المز وار کے زمانے میں ۷۲۳ھ میں ہوئی، سلطان ابوسعید الحجر الأساسی نے اس کی بنیاد رکھی، ساتھ ہی اس کے لیے کئی عمارتوں کو خریدا، اس مدرسے میں تیس سے پچاس کمرے طلباء کے قیام کے لئے تھے، اس مدرسہ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ جو اساتذہ اس مدرسے کے معلم ہوتے وہی مشہور ”مدرسہ نظامیہ“ کے بھی استاذ ہوا کرتے تھے۔

علم و معرفت کے قدیم گہواروں میں دمشق کا ”المدرسہ العمریہ“ بھی تھا، جسے مجاہد ابوعمر احمد بن محمد المقدسی نے ۶۰۳ھ میں اسے ”الصالحیہ“ محلہ میں بنوایا تھا، پہلے پہل صرف قرآنی علوم کے لیے خاص تھا مگر بعد میں جملہ علوم کی تعلیم دی جانے لگی اس ادارے میں ۳۶۰ کمرے تھے جن میں ۵۰۰ سے زیادہ طلباء رہا کرتے تھے۔

ہمیں یہ جان کر حیرت ہوتی ہے کہ چھٹی صدی ہجری کے اس مدرسے میں ایک ایسی فیکلٹی بھی تھی جس میں نابینا طلباء کی پڑھائی بھی ہوتی تھی، ساتھ ہی ایک شعبہ نرسری کے بچوں کی عمدہ تعلیم تربیت کے لیے بھی تھا، وہیں ایک بڑی لائبریری تھی جو ہر خاص و عام کی علمی تشنگی بجھانے کے لئے وقف تھی، مدرسے کے خرچ کے لئے بڑی اوقاف کی زمینیں تھیں، اس کا مطبخ رمضان کے مبارک مہینے میں ہر شخص کے لیے کھول دیا جاتا تھا، اس قبیل کا ایک اور مشہور مدرسہ ”المدرسہ الغزالیہ بقدس“ کا بھی تھا، جس کی بنیاد نور الدین زنگی کے زمانے میں پڑ چکی تھی، مگر صلاح الدین ایوبی نے اس کی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ دی اور اس کی نگرانی و دیکھ بھال کے لیے قطب الدین مسعود نیشاپوری شافعی کو مقرر کیا، ”مدرسہ غزالیہ“ سے مشہور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ابوحامد غزالی وہاں ٹھہرے تھے اور اپنی مشہور زمانہ کتاب احیاء علوم الدین یا احیاء العلوم کی تصنیف مکمل کی تھی، اس میں ایک فیکلٹی قراءت تو دوسرا نحوی علوم کے لئے مخصوص تھا۔

اسی طرح تاریخ کے قدیم مدرسوں میں ایک اہم نام ”مدرسہ قایتبای“ کا بھی ہے، یہ مسجد نبوی کے قریب تھا ، جسے سلطان قایتبای نے تعمیر کرایا تھا اس مدرسہ میں ہر چار مسلکوں کی تعلیم دی جاتی تھی یہ خاص طور سے یتیم بچوں کی تعلیم کے لئے مخصوص تھا، گویا کہ یتیم خانہ تھا، جہاں یتیموں کی تعلیم و تربیت، قیام و طعام کا یکساں انتظام تھا۔

غرض کہ یہ سب ان مدارس اسلامیہ کے فیوض و برکات اور علم و معرفت کے روشن منارے ہیں جہاں سے ہماری تہذیب و تمدن کو روشنی ملتی ہے اور جہاں سے علوم و معرفت سے معمور اسلامی فتوحات کا نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہوا۔

علمی تحقیق

دوسری قسط

ضعیف احادیث کی تشریعی حیثیت

سوال اور اس کا جواب

المجیب: مولانا محمد معاویہ سعدی

استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

۲- ''حدیثِ ضعیف متوسط'' وہ ہے جس کے راوِی پر ضبط کے پہلو سے ذرا سخت کلام ہو، جیسے ''ضعیف''، ''سيء الحفظ''، ''منكر الحديث''، ''لا يحتج به''، وغیرہ۔

حدیث کی یہ وہ قسم ہے جس سے جمہور محققین کے نزدیک اَحکام (حلال وحرام) تو نہیں، البتہ (بعض شرائط کے ساتھ) ''استحباب'' اور ''فضائل'' دونوں ثابت کیے جاسکتے ہیں۔

علامہ ابن حجر ہیتمی مکیؒ فرماتے ہیں: قد اتفق العلماء على جواز العمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال؛ لأنه إن كان صحيحاً في نفس الأمر فقد أعطي حقه من العمل به، وإلا لم يترتب على العمل به مفسدةُ تحليل ولا تحريم، ولا ضياع حق للغير (الفتح المبین شرح الأربعین ۱۰۹)۔

امام نوویؒ ''سُترہ'' سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: والمختار استحبابُ الخط (أي في سترة المصلي)، لأنه وإن لم يثبت الحديث ففيه تحصيل حريم للمصلي، وقد قدمنا اتفاق العلماء على العمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال، دون الحلال والحرام، وهذا من نحو فضائل الأعمال (المجموع شرح المہذب ۳/۲۴۸)۔

امام نوویؒ کی اِس عبارت سے تین اہم باتیں مستفاد ہوئیں:

ایک حدیثِ ضعیف سے ''استحباب'' کا ثبوت، جو ہمارا اَصل مقصد اور موضوع ہے۔

دوسرے ''استحباب'' اور ''اَحکام'' (حلال وحرام) کی اصطلاح میں فرق، جیسا کہ اِس بحث کے ذیل میں یہی جمہور سلف وخلف کا مسلک ہے، خلافاً للدوّاني، والشوكاني، والألباني، وغيرهم۔

تیسرے ''استحباب'' اور ''فضائلِ اعمال'' کا ایک درجہ میں ہونا۔

واضح رہے کہ یہ دونوں اگرچہ الگ الگ اصطلاحات ہیں، مگر بلحاظِ حکم توسعاً کبھی ایک کا دوسرے پر بھی اطلاق کر دیا جاتا ہے۔

علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں: والاستحباب يثبت بالضعيف غير الموضوع (فتح القدیر ۲/ ۱۳۳)۔

علامہ عبدالحیؒ لکھنویؒ نے فرمایا: فالحق في هذا المقام أنه إذا لم يثبت نَدب شيء أو جوازه بخصوصه بحديث صحيح، وورد بذلك حديث ضعيف ليس شديد الضعف، يثبت استحبابه وجوازه به؛ بشرط أن يكون مندرجاً تحت أصل شرعي، ولا يكون مناقضاً للأصول الشرعية والأدلة الصحيحة (الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة ص ۵۵)۔

علامہ لکنویؒ کی اِس صراحت سے ابن الہُمامؒ کے قول ''الضعيف غير الموضوع'' کی مراد بھی واضح ہوگئی کہ ''اِستحباب'' اُسی ''ضعیف'' سے ثابت ہوسکتا ہے جو ''شدید الضعف'' نہ ہو۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: فإذا تضمنت أحاديث الفضائل الضعيفة تقديراً وتحديداً، مثل صلاة في وقت معين بقراءة معينة، أو على صفة معينة لم يجز ذلك، لأن استحباب هذا الوصف المعيّن لم يثبت بدليل شرعي، بخلاف ما لو روي فيه: من دخل السوق فقال: لا إله إلا الله، كان له كذا وكذا، فإن ذكر الله في السوق مستحبٌ، لما فيه من ذكر الله بين الغافلين، كما جاء في الحديث المعروف: {ذاكر الله في الغافلين كالشجرة الخضراء بين الشجر اليابس} (مجموع الفتاوی ۱۸/ ۶۷)۔

علامہؒ کی اِس عبارت میں بھی ''استحباب'' اور ''فضائل'' کا فرق ملحوظ ہے، البتہ علامہ کی رائے یہ ہے کہ احادیثِ ضعیفہ سے ''فضائل'' تو ثابت کیے جاسکتے ہیں، مگر ''استحباب'' نہیں، تاہم جمہور سلف وخلف کا مجموعی عمل اِسی پر ہے کہ وہ جس طرح سرایا ومغازی، ترغیب وترہیب، اور فضائلِ اعمال وغیرہ کے اِثبات کے لیے حدیثِ ضعیف کی طرف رجوع کرتے ہیں، اِسی طرح ضرورتاً کبھی ''اِثباتِ استحباب'' کے لیے بھی (خفیف اور متوسط درجہ کی) حدیثِ ضعیف کی طرف رجوع کر لیتے ہیں، ان کے ہاں یہ کوئی ایسا شجرۂ ممنوعہ نہیں ہے کہ اس کی طرف جانا مطلقاً ناجائز اور موجبِ گناہ ہو۔ خود علامہ ابن تیمیہؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں

جو دو حدیثیں بیان فرمائی ہیں دونوں ہی ''ضعیف'' ہیں!!۔

محدثِ عصر استاذِ گرامی قدر حضرت شیخ محمد یونس نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں :

یہ جو اِن حضرات (احمد، ابن معین، ابن الصلاح، نووی، بدر ابن جماعہ، طیبی، بلقینی، عراقی، سیوطی، اور ملا علی قاری رحمہم اللہ) نے تفصیل ذکر فرمائی کہ عقائد واَحکام میں حدیثِ صحیح وحسن ضروری ہے، اور اس کے ماسوی میں ضعیف بھی معتبر ہے، اسی طرح سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، عبد اللہ بن المبارک، ابوزکریا العنبری، ابن ابی حاتم، ابوعبد اللہ الحاکم، ابن عدی، بیہقی، ابن عبد البر، خطیب بغدادی رحمہم اللہ نے (بھی) تصریح کی ہے۔ (نیز) محقق ابن الہمامؒ نے (بھی) ''فتح القدیر'' میں یہی لکھا ہے'' (الیواقیت الغالیہ ۳/۳۰۱)۔

احقر عرض کرتا ہے کہ ''حدیثِ ضعیف'' کی اِس قسم کے خلاف اِس قدر شور وہنگامہ جو آج کل معاصرین وشبہِ معاصرین کی طرف سے کیا جاتا ہے، متقدمین کے ہاں کہیں نہیں پایا جاتا، بلکہ امام بخاریؒ کے ہاں بھی اِس قسم کی پوری پوری پذیرائی ملتی ہے، جیسا کہ سب سے زیادہ اس کا اِدراک خود شیخ البانیؒ کو ہے، جن کو اِسی بنا پر ''الادب المفرد'' کا آپریشن کر کے اُس کے ''ضعیف!!'' مادے کو الگ کرنا پڑا۔

اِسی طرح امام مسلمؒ نے اپنی ''صحیح'' کے مقدمہ میں فرمایا: ''**فإذا كان الراوي لها ليس بمعدنٍ للصدق والأمانة، ثم أقدَمَ على الرواية عنه مَن قد عرفه، ولم يبين ما فيه لغيره ممن جهل معرفته، كان آثماً بفعله ذلك، غاشاً لعوام المسلمين...**'' الخ۔

اِس عبارت پر حاشیہ لگاتے ہوئے حضرت الاستاذؒ فرماتے ہیں: ''**أراد شديد الضعف، بدليل قوله :ليس بمعدن للصدق والأمانة**'' (الیواقیت الغالیہ ۳/۳۹۷)۔

اِس سے معلوم ہوا کہ امام مسلمؒ بھی مطلق حدیثِ ضعیف کو ممنوع نہیں قرار دیتے، بلکہ ''حدیثِ ضعیف شدید'' کی ممانعت کے قائل ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (باقی آئندہ ان شاء اللہ)

طابع، ناشر، مدیر (مولانا) محمد عاقل (صاحب) ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے
سبھاش پرنٹنگ پریس نواب گنج چوک سہارنپور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا

تبرکاتِ اکابر

ملفوظات

از فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی مفتی اعظم ہند

مرتب: مولانا مفتی شعیب احمد بستوی
معین مفتی دار الافتاء مظاہر علوم سہارنپور

ارشاد فرمایا کہ: حضرت گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ انسان کے کئے کرائے کے ضائع ہونے کے تین سبب ہوتے ہیں، اول ناموافق کھانا، دوم ناجنس کی صحبت، سوم ارتکاب معصیت۔ پس سالک کیلئے ضروری ہے کہ ان تینوں امور سے بالکلیہ اجتناب کرے تا کہ اس نقصان عظیم سے محفوظ رہ سکے۔

ارشاد فرمایا کہ: اگر کوئی شخص نیک عمل کرتا تھا پھر بیماری کیوجہ سے وہ عمل نیک نہیں کرپاتا تو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ملائکہ کو حکم ہوتا ہے کہ بیماری کے زمانہ میں بھی اس کے اس نیک عمل کو لکھتے رہو جس کو وہ صحت کے زمانہ میں کرتا تھا۔ پھر جب وہ ٹھیک ہوجائے تو دوبارہ شروع کردے، اگر صحت کے بعد نہ کرے گا تو پھر نہ لکھا جائے گا۔ (اس میں بڑی تسلی ہے ان حضرات کیلئے جو بیماری یا کسی اور معقول عذر کیوجہ سے اپنا معمول پورا نہ کرسکیں اور اس کے فوت ہونے پر ان کو افسوس ہو۔)

ارشاد فرمایا کہ: مسلمان جب تک مصائب میں مبتلا نہیں ہوتا حق تعالیٰ شانہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا (اس لئے) مصائب بھی بندۂ مومن کے لئے اللہ پاک کی بڑی نعمت ہے۔

ارشاد فرمایا کہ: رمضان شریف میں جس نیک عمل کا کوئی شخص معمول بنالیتا ہے تو اس کا کرنا رمضان شریف کے بعد سہل ہوتا ہے، رمضان شریف کے بعد اس کی عادت رہتی ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص رمضان شریف میں گناہ کرتا ہے تو اس کے اثرات رمضان بعد بھی باقی رہتے ہیں اور اگر عادت بنالیتا ہے تو رمضان شریف کے بعد بھی اس کی عادت رہتی ہے، اس کا چھوٹنا بہت دشوار ہوتا ہے اس لئے ماہ مبارک کو طاعات اور عمل صالح سے مشغول رکھے اور لغویات و معاصی سے بہت اجتناب کرے کہ ان میں مشغول رہنا بڑی محرومی ہے۔

ارشاد فرمایا کہ: کسی معمول کو کبھی کبھی ناغہ کرتے رہنے سے اس پر دوام دشوار ہوجاتا ہے، اس لئے حتی المقدور سالک کو اپنا معمول ناغہ نہ ہونے دینا چاہئے جس طرح بن سکے اس کو پورا کرنے کی کوشش کرے کہ اس کے ثمرات و برکات پورے طور پر جب ہی میسر آسکتے ہیں جب کہ اس پر دوام اختیار کرے، حدیث پاک میں بھی اسی عمل کو احب الاعمال کہا ہے جن پر مداومت ہو، ارشاد نبوی ہے **احب الاعمال الی اللہ ادومھا و ان قل** (رواہ الشیخان) یعنی حق تعالیٰ شانہ کے نزدیک وہ عمل زیادہ محبوب ہے جس پر دوام ہو گو وہ عمل تھوڑا ہی ہو۔

ارشاد فرمایا کہ: جو شخص توبہ کی تلقین کرنے پر یہ کہے کہ میں کیوں توبہ کروں میں نے کیا قصور کیا ہے تو فقہاء نے اس کیلئے بڑا سخت کلمہ لکھا ہے میں اسکو کہہ نہیں سکتا۔ میرے خیال میں اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس کا قول میں نے کیا قصور کیا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ معصوم ہے، خطاء سے پاک ہے، حالانکہ مطابق حدیث نبوی **کلکم خطاؤن و خیر الخطائین التوابون** کہ ہر شخص بجز انبیاء کرام کے خطا کار ہے، پس اس کا یہ قول مستلزم ہے اس قسم کی حدیث کی تردید کو، جو کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ امر عظیم ہے۔

ارشاد فرمایا کہ: حسن ظن جو کہ شرعاً مطلوب ہے، کہا گیا ہے **ظنوا بالمؤمنین خیراً** مسلمانوں کے ساتھ اچھا گمان رکھو۔ اس کے لئے کسی دلیل کی حاجت نہیں ہے۔ البتہ سوء ظن جو کہ مذموم ہے اس سے اجتناب کا حکم ہے ارشاد خداوندی ہے **یایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن** تو اس سوء ظن کیلئے مستقل دلیل کی حاجت ہے (بغیر کسی معتد بہ دلیل کے کسی کے ساتھ بدگمانی گناہ ہے حق تعالی شانہ کا ارشاد ہے **ان بعض الظن اثم** بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ: حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس دور میں سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں دین کی طلب نہیں ان کے دلوں میں دین کی طلب پیدا کردی جائے۔

واقعات الفتاویٰ

فتاوی مظاہر علوم

مفتی بشیر احمد سہارنپوری
معین مفتی دارالافتاء مظاہر علوم سہارنپور

قربانی کا ثبوت و وجوب :

قربانی دین اسلام کا عظیم الشان حکم اور اسلام کا شعار ہے، قرآن کریم کی متعدد آیات اور بیشمار احادیث اس کی مشروعیت پہ دلالت کرتی ہیں، اور عہد رسالت سے تاحال امت میں اس کا تعامل رہا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم دس سال مدینہ منورہ میں مقیم رہے، اور دس کے دس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی فرمائی، اس کے علاوہ متعدد احادیث میں امت کو تاکید کے ساتھ قربانی کا حکم فرمایا، بلکہ گنجائش و وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنے والے کے لیے سخت وعید بیان فرمائی کہ: ایسا شخص ہماری عید گاہ کے قریب بھی نہ آئے۔ اسی وجہ سے ائمہ مجتہدین اس کے تاکیدی حکم ہونے پر متفق ہیں، چنانچہ امام ابوحنیفہ اس کو واجب اور حضرات صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) اور ائمہ ثلاثہ (امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل) اس کو سنت مؤکدہ قرار دیتے ہیں، اس لیے ایام قربانی میں اصحاب وسعت پر قربانی کرنا لازم ہے، محض نفل یا اختیاری عمل نہیں ہے۔ (إعلاء السنن ۱۷/ ۲۲۱، موسوعۃ الفقہ الاسلامی للعلامۃ الزحیلی ۳/ ۵۹۷)۔

قربانی کے بجائے صدقہ:

قربانی کے فریضہ کی ادائیگی کے لیے قربانی کرنا ہی ضروری ہے، اس کی جگہ اتنی رقم کا صدقہ یا اس سے کسی قومی وملی کام میں تعاون کافی نہیں ہے، کیوں کہ شریعت کی جانب سے مقررہ عمل کا بدل اپنی رائے سے تجویز نہیں کیا جاسکتا: **لأن الأبدال لاتنصب بالرأی** (شرح حموی)

قربانی کس پر واجب ہے:

قربانی دو قسم کے افراد پر واجب ہے :

(الف) ہر وہ شخص جس پر زکوۃ واجب ہے، اس پر قربانی بھی واجب ہے۔

(ب) جس شخص کے پاس کسی بھی شکل میں ضرورت و استعمال سے زائد بقدر نصاب (موجودہ وقت میں ۶۱۲ گرام ۳۸۰ ملی گرام چاندی کی مالیت) مال ہو اس پر بھی قربانی واجب ہے، چنانچہ جس کے پاس فاضل مکان، دوکان، یا پلاٹ ہو، یا ایسا گھریلو سامان ہو جو پورے سال کسی بھی موقع پر استعمال نہ ہوتا ہو، اور اس کی قیمت مذکورہ بالا مالیت کے برابر ہو اس پر قربانی واجب ہوگی۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۹۴)

کیا سب گھر والوں کی طرف سے ایک قربانی کافی ہے؟:

کسی گھر میں اگر متعدد افراد صاحب نصاب ہوں تو ہر فرد پر مستقل قربانی واجب ہے، گھر کے کسی ایک فرد کا قربانی کرنا سب کی طرف سے کافی نہیں ہوگا، جس طرح ایک شخص کا نماز روزہ کرلینا سب گھر والوں کی طرف سے کافی نہیں ہوتا، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قربانی الگ فرمایا کرتے تھے، اور اپنے اہل خانہ کی قربانی الگ کیا کرتے تھے، البتہ ایک روایت کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ: ایک بکری سب گھر والوں کی طرف سے کافی ہے، مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ عموماً گھر کا سربراہ ہی صاحب نصاب ہوتا ہے، باقی اہل خانہ نصاب کے مالک نہیں ہوتے، تو ایسی صورت میں تنہا سربراہ قربانی کرے اور سب کو ثواب میں شریک کرلے تو یہ جائز ہے، روایت کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ اگر سربراہ کے علاوہ اور اہل خانہ بھی صاحب نصاب ہوں تو محض گھر کے سربراہ کی قربانی سے سب کا فریضہ ادا ہوجائیگا، اگر ایسا ہوتا تو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل خانہ کی جانب سے الگ الگ قربانی نہ کرتے۔ (إعلاء السنن ۱۷/۲۲۱)

حاجی پر بقرعید کی قربانی:

جو شخص حج کرنے کے لیے گیا ہو اور دورانِ سفرِ حج وہ مقیم ہوجائے، جس کی صورت یہ ہے کہ آٹھ ذی الحجہ کو منی روانگی سے پہلے مکہ میں اس کا قیام پندرہ روز ہوجائے، تو ایسے حاجی پر اگر وہ صاحب نصاب ہو اقامت کی وجہ سے قربانی واجب ہوجائیگی، جو حج کی قربانی سے علیحدہ ہوگی، جس کو وہ وہیں بھی کرسکتا ہے اور اپنے وطن میں بھی کراسکتا ہے۔ اور جس حاجی کا آٹھ ذی الحجہ سے پہلے مکہ میں پندرہ روز قیام نہ ہو سکے تو وہ ایام قربانی میں مسافر رہے گا، اس لیے مسافر ہونے کی وجہ سے اس پر بقرعید کی قربانی واجب نہیں ہوگی: **و لاتجب الأضحية على الحاج وآراد بالحاج المسافر فأما أهل مكة فتجب عليهم الاضحية و ان حجوا** (بدائع الصنائع ۵/۶۳)

چوتھے دن قربانی کرنے کا حکم

قربانی کے ایام جیسا کہ معروف ہے تین ایام ہیں، عام نصوص وآثار میں یہی وارد ہے، اور یہی امام اعظم ابوحنیفہ اور جمہور فقہاء کا مذہب ہے، لہٰذا جمہور فقہاء کے مذہب کے مطابق چوتھے دن قربانی کرنے سے فریضہ ادا نہیں ہوگا۔ (اعلاء السنن ۱۷/۲۳۰)۔

گائے کی قربانی کا حکم

گائے کی قربانی شرعا جائز ہے، تاہم جس علاقہ میں اس کا ذبح قانونا ممنوع ہے یا وہاں اس کی قربانی سے فتنہ وفساد کا خطرہ ہو، تو ایسے علاقوں میں گائے کی قربانی سے ازراہِ احتیاط اجتناب کرنا چاہیے۔

عن حذيفة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :لا ينبغي للمؤمن أن يذل نفسه قالوا :وكيف يذل نفسه؟قال :يتعرض من البلاء لما لا يطيق. (سنن الترمذی ۲۲۵۴)

قربانی کے جانور میں دو دانت کا التزام

قربانی کے جانوروں کی عمریں متعین ہیں، یعنی بکرا اور بکری ایک سال، گائے اور بھینس دو سال، اور اونٹ اونٹنی پانچ سال، جو جانور اس متعینہ عمر کو پہنچ جائے اس کی قربانی درست ہے، قربانی کے جانور کا دو پکے دانت ہونا شرط نہیں ہے، البتہ جانور کی عمر کی تعیین میں اس سے مدد لی جاسکتی ہے، چنانچہ جس جانور کا پوری عمر کا ہونا یقین سے معلوم ہو تو اس کی قربانی درست ہے، خواہ وہ پکے دانت نہ ہوں، لیکن جس جانور کا پوری عمر کا ہونا یقین سے معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں پکے دانت دیکھ کر ہی جانور خریدا اور قربان کیا جائے، کیوں کہ مذکورہ عمر کو پہنچنے کے بعد ہی پکے دانت ظاہر ہوتے ہیں، یا پھر کسی با اعتماد، جانوروں کی عمر کا تجربہ رکھنے والے شخص کی تصدیق کے بعد خریداری پھر قربانی کی جائے۔

مشترکہ قربانی میں گوشت کی تقسیم کا طریقہ

مشترکہ قربانی کی صورت میں جب گوشت تقسیم کیا جائے تو اس تقسیم کا مکمل برابری اور مساوات کے ساتھ ہونا ضروری ہے، ورنہ سود ہو جائے گا، اس لیے باہمی رضامندی کے ساتھ بھی کمی بیشی کے ساتھ تقسیم جائز نہیں ہے، البتہ اگر گوشت کی تقسیم میں جانور کے وہ حصے بھی شامل کر لیے جائیں جو گوشت شمار نہیں

ہوتے، مثلاً پائے، سری، مغز اور زبان، اور ہر حصہ دار کو ان میں سے بھی کوئی ایک چیز دے دی جائے تو پھر اگر گوشت کم وبیش بھی ہو جائے، تو کوئی حرج نہیں ہے:

ویقسم اللحم وزنا لا جزافا إلا إذا ضم معه الأكارع أو الجلد صرفا للجنس لخلاف جنسه. (الدر المختار ۲/ ۵۵۳)

دوسرے ملک میں قربانی کروانا

اگر کسی دوسرے ملک میں قربانی کرائی جائے اور دونوں ملکوں کے ایام قربانی میں فرق ہو، تو ایسی صورت میں قربانی کی ادائیگی کے لیے دونوں ملکوں میں ایام قربانی کا ہونا شرط ہے، اگر کسی ایک جگہ ایام قربانی ختم ہو چکے یا شروع ہی نہیں ہوئے تو پھر قربانی ادا نہیں ہوگی، کذا فی کتب الفقہ۔

قربانی کے جانور کا مر جانا یا گم ہو جانا

اگر قربانی کا جانور مر گیا یا گم ہو گیا، تو صاحب نصاب شخص پر دوسرا جانور خرید کر قربان کرنا ضروری ہے، اور اگر غیر صاحب نصاب نے قربانی کے لیے جانور خریدا ہو اور وہ مر گیا ہو یا گم ہو گیا ہو تو اس پر دوسرا جانور خرید کر قربانی کرنا ضروری نہیں ہے۔ عوام میں اس کا برعکس مشہور ہے جو غلط ہے، (بدائع الصنائع ۵/ ۶۶)

قربانی کی کھال کو دفنانا

قربانی کی کھال خود استعمال کر لی جائے یا کسی کو ویسے ہی ہدیہ کر دی جائے یا پھر اس کو فروخت کر کے اس کی رقم کسی مستحق زکوۃ کو دے دی جائے، خواہ معمولی قیمت میں فروخت ہو، اس کو دفنانے سے گریز کیا جائے، کیوں کہ کچھ نہ کچھ قیمت مل جانا بالکل نہ ملنے سے بہتر ہے۔

اخبار مظاہر

مرتب: عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

داخلوں کی تکمیل کے بعد تمام شعبہ جات میں تعلیم کا آغاز

امسال چونکہ مدرسہ میں جدید داخلہ کے لئے طلبہ کی آمد زیادہ تھی اس لئے داخلوں کی جملہ کارروائی میں کچھ وقت زیادہ لگا، سال گذشتہ حضرت مولانا سید محمد شاہد الحسنی ،مولانا احمد مرتضیٰ اور مولانا مفتی سید محمد خالد صاحبان کے انتقال کی وجہ سے تقسیم اسباق میں کچھ ترمیم کی ضرورت تھی جس کے لئے مجلس تعلیمی کی میٹنگ ہوئی اور کچھ جزوی ترمیم کے ساتھ تقسیم اسباق کے بعد مؤرخہ ۲/ذی قعدہ ۱۴۴۵ھ/۱۱/مئی ۲۰۲۴ء شنبہ کو ناظم مدرسہ وشیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمد عاقل صاحب مدظلہ نے بخاری شریف کا افتتاحی درس دیا اور تمام شعبہ جات میں باقاعدہ تعلیم شروع کردی گئی۔

سالِ گذشتہ عربی درجات وتکمیلات کے تمام شعبوں میں طلبہ کی تعداد ۱۵۱۷/تھی جب کے امسال یہ تعداد تقریباً ۱۲۳۰/رہے۔مظاہر علوم کے زیر انتظام جاری مکاتب میں طلبہ کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔

طلبہ کے لئے تربیتی بیان

موجودہ حالات اور زمانہ کے اعتبار سے تعلیم کے ساتھ طلبہ کی تربیت کس قدر اہم اور ضروری ہے یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے،اس اہمیت اور ضرورت کا مدرسہ مظاہر علوم کے ذمہ داران اور حضرات اساتذہ کرام کو ہمیشہ احساس رہا ہے،اسی لئے یہاں کے نظام تعلیم میں یہ بات داخل ہے کہ طلبہ کے باقاعدہ تربیتی اجلاس اور ان کو خصوصی ہدایات جاری کرنے کے لئے سال کے شروع میں تربیتی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں، جن میں ذمہ داران مدرسہ ومختلف اساتذۂ کرام کے بیانات وقفہ وقفہ سے ہوتے رہتے ہیں، یہ تربیتی مجلسیں تعلیم کے ساتھ طلبہ کی اخلاقی تربیت میں بڑی مؤثر ہوتی ہیں۔

امسال ۱۲/ذی قعدہ ۱۴۴۵ھ/۲۱/مئی ۲۰۲۴ء سہ شنبہ کو بعد نماز مغرب اس سلسلہ کی پہلی مجلس

منعقد ہوئی جس میں مدرسہ کے امین عام اور نائب ناظم مولانا مفتی سید محمد صالح الحسنی کا طلبہ سے خطاب ہوا، مفتی صاحب نے اپنے بیان میں کہا کہ تعلیم میں عروج اور کمال اسی طرح اس سے کماحقہ استفادہ کے لئے اخلاص سب سے بڑی چیز ہے، اپنے اوقات کو علم دین کے حصول کے لئے خالص کرنا اور دوسری لایعنی سرگرمیوں سے دور رہنا، اس پر خاص توجہ دلائی اور اس ضمن میں حضرات اکابر رحمہم اللہ کے واقعات بھی بیان کئے، تعلیم کے حصول میں جو چیزیں مانع اور رکاوٹ بنتی ہیں ان کی طرف نشاندہی کی اور اس سے بچنے اور ان سے دور رہنے کی تاکید کی، موجودہ دور کے بعض فتنے جو کہ طالب علم کے لئے کسی زہر سے کم نہیں ہیں جیسے ملٹی میڈیا موبائل کا استعمال وغیرہ ان سے بچنے پر زور دیا اور کہا کہ مظاہر علوم کا ضابطہ ہے کہ دوران تعلیم اگر کسی کے پاس ملٹی میڈیا موبائل فون دستیاب ہوا تو اس کا مظاہر علوم سے دائمی اخراج ہوجاتا ہے، اس لئے تمام طلبہ ملٹی میڈیا موبائل کو اپنے سے بالکل دور رکھیں۔ یہ مجلس تقریباً دو گھنٹہ رہی۔

مکاتب دینیہ کے امتحانات

شعبان ۱۴۴۵ھ میں بعض وجوہات کی بناء پر مکاتب دینیہ کے سالانہ امتحانات مؤخر کردیئے گئے تھے، اب تین ہفتوں پر مشتمل اس کا نظام بنایا گیا اور ۱۰/ذی قعدہ ۱۴۴۵ھ/ ۱۹/مئی ۲۰۲۴ء پہلا ہفتہ، ۱۷/ذی قعدہ ۱۴۴۵ھ/ ۲۶/مئی ۲۰۲۴ء دوسرا ہفتہ اور ۲۴/ذی قعدہ ۱۴۴۵ھ/ ۲/جون ۲۰۲۴ء تیسرا ہفتہ ان امتحانات کے لئے متعین کیا گیا، اس پورے نظام امتحان میں مظاہر علوم کے حضرات اساتذۂ کرام متعینہ مکاتب میں تشریف لے جاکر وہاں کا امتحان لے رہے ہیں۔

مجلس شوریٰ سرپرستان کی منظور کردہ تجویز کے مطابق اِس امتحان میں ہر ہر مکتب میں اول دوم سوم پوزیشن لانے طلبہ وطالبات کو من جانب مظاہر علوم نقد انعامات دیئے جانے کا اہتمام کیا جارہا ہے، حضرات ممتحن امتحان لینے کے بعد وہیں نتیجہ مرتب کرکے پوزیشن لانے والے طلبہ وطالبات کا اعلان کرتے ہیں اور انعامات تقسیم کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ تقسیم انعام کی یہ مجلسیں گاؤں کے ذمہ داران اور طلبہ وطالبات کے سرپرستان کی موجودگی میں منعقد کی جارہی ہیں، اس سے تعلیم دین اور تعلیم قرآن کریم کی طرف لوگوں کا میلان ہورہا ہے، دینی تعلیم سے بیزاری کے ماحول میں طلبہ وطالبات میں اس طرف شوق ورغبت میں اضافہ محسوس کیا جارہا ہے۔

R.N.I. REGD. NO. 62469/95U.M.
URDU MONTHLY MAGAZINE

MAZAHIR ULOOM

SAHARANPUR



Rs. 30/-

MADRASA MAZAHIR ULOOM
SAHARANPUR-247001 (U.P.) INDIA, PH. 0132-2655542
E-Mail: jamiamazahir@gmail.com